قرآن کریم اور سُنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۱ شمارہ: ۳

ربیع الاول: ۱۴۳۹ھ - دسمبر: ۲۰۱۷ء

قیمت فی شمارہ: ۳۵ روپے، زرِ سالانہ: ۴۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ’’بینات‘‘ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ’’بینات‘‘: 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-101900 برانچ کوڈ: 0816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ
انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا
وغیرہ: 27 امریکی ڈالر
بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 Ext. 146 - 147
فیکس: 34919531-21-92+
Web: www.banuri.edu.pk *Email*: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر مطبع: ایجوکیشنل پریس طابع: فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء اور ختمِ نبوت اسلام آباد ہائی کورٹ کا جرأت مندانہ فیصلہ!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات ومضامین

مکاتیب علامہ کوثریؒ... بنام... علامہ بنوریؒ (قسط:۹)	۱۳	ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور محفلِ میلاد!	۱۶	مرسلہ: نعمان امین
وہ ہاشمی ومُطّلبی! (حضور ﷺ کے آباءواجداد کا تذکرہ)	۱۹	مولانا گل نواز ایوبی
ذکرِ ولادتِ مصطفی ﷺ اور ماہِ ربیع الاول کے تقاضے!	۲۵	جناب ظفر اقبال
''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' اور اُن کا حکم (قسط:۳)	۴۰	مولانا انعام اللہ

یادِ رفتگاں

اِک ''نیازمند'' فرزندِ بنوری ٹاؤن	۴۶	مولانا طلحہ رحمانی

دار الافتاء

مدارسِ دینیہ میں مدرسین کے معاہدۂ تقرر کی شرعی حیثیت!	۵۷	ادارہ

نقد ونظر

	۶۱	ادارہ

الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء اور ختمِ نبوت

اسلام آباد ہائی کورٹ کا جرأت مندانہ فیصلہ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء کو طویل جدو جہد، بڑے صبر آزما مراحل اور بے شمار قربانیوں کے بعد حضور اکرم ﷺ کے منصبِ ختمِ نبوت پر حملہ آور قادیانیوں اور لاہوریوں کو پاکستان کی پارلیمنٹ میں آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا فیصلہ ہوا، لیکن حضور خاتم النبیین ﷺ کے ان باغی گروہوں نے کبھی بھی اپنے آپ کو غیر مسلم اقلیت تسلیم نہیں کیا، بلکہ بیرونِ ملک ہر فورم پر آئینِ پاکستان، علماء اور پاکستانی قوم کو بدنام کرنے اور برا بھلا کہنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ پاکستان کے آئین کے باغی اور منکر ہیں اور بین الاقوامی قانون کے مطابق کسی ملک کے دستور اور آئین کے باغیوں کے لیے اس ملک میں کوئی حقوق نہیں ہوسکتے۔ لیکن پاکستان ہی بے چارہ ایک ایسا لاوارث ملک ہے کہ جس میں اس کے آئین کے باغیوں کو نہ صرف کلیدی عہدوں سے نوازا جاتا ہے، بلکہ ان کی آشیر باد اور خوشنودی حاصل کرنے اور ان کو نوازنے کے لیے حکومتِ وقت اپنے آئین اور قانون کے حلیہ کو بگاڑنے کے لیے ہمہ وقت مستعد اور تیار رہتی ہے۔ اس لیے کبھی پنجاب کا وزیر قانون نعوذ باللہ! اُنہیں مسلمان باور کرانے کی کوشش کرتا ہے، تو کبھی وفاقی وزیرِ قانون اُنہیں ریلیف اور رعایت دینے

کے لیے مذموم اور گھناؤنی کوششیں کرتا ہے۔

سپریم کورٹ آف پاکستان کے ایک فیصلہ کے نتیجے میں میاں محمد نواز شریف صاحب وزارتِ عظمیٰ سے محروم اور سیاست کے لیے نااہل قرار پائے تو ان کی پارٹی پاکستان مسلم لیگ (ن) نے بڑی تگ و دو کے بعد ایک ووٹ کی برتری سے سینیٹ سے یہ قانون منظور کرالیا کہ عدالت سے نااہل کردہ شخص پارٹی سربراہ بن سکتا ہے اور اس کی آڑ میں الیکشن اصلاحات ۲۰۱۷ء میں قادیانیوں اور لاہوریوں کو فائدہ پہنچانے اور اپنے آپ کو بلکہ تمام ایوانوں کے اراکین کو سیکولرز ثابت کرنے کے لیے حکومتی حلقوں کے کچھ ذمہ داروں نے ایسی باریک بینی سے ڈنڈی ماری کہ سینیٹ اور قومی اسمبلی کے بڑے بڑوں کو اس کی ہوا تک نہ لگنے دی، جیسا کہ گزشتہ اداریہ میں تفصیل سے لکھا گیا تھا کہ اراکینِ اسمبلی کے نامزدگی فارم میں ''حلف نامہ'' کو ''اقرار نامہ'' میں تبدیل کیا گیا اور ۲۰۱۷ء کے الیکشن اصلاحات کی دفعہ ۲۴۱ کے ذریعہ ۷-بی اور ۷-سی کو بھی ختم کیا گیا۔ جب اس پر احتجاج ہوا اور عوامی ردِ عمل سامنے آیا تو حکومت نے بڑی عجلت میں اور ایک ہی دن کے وقفے کے بعد نامزدگی فارم کو پرانے انداز میں بحال کیا اور ۷-بی اور ۷-سی کو بھی دفعہ ۲۴۱ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ بڑا شور مچایا گیا اور عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ ایسا لاشعوری طور پر ہوا ہے اور کہا گیا کہ تلاش کرو اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اُسے برطرف کیا جائے۔ وزیر اعلیٰ شہباز شریف نے بھی مطالبہ کیا، اس پر تین رکنی کمیٹی بنائی گئی، اس کی رپورٹ میاں محمد نواز شریف صاحب کو دی گئی، لیکن کمیٹی کی رپورٹ ابھی تک منظر عام پر نہیں لائی گئی، بلکہ اب تو ببانگ دہل اور بڑی جرأت کے ساتھ کہا جارہا ہے کہ اس کمیٹی کی رپورٹ کو منظر عام پر نہیں لایا جائے گا اور نہ ہی اس میں ملوث افراد کو بے نقاب کیا جائے گا۔ باشعور عوام یہ جانتی ہے اور سمجھتی ہے کہ یہ سب کچھ سوچ سمجھ کر کیا گیا اور عوام کو بے وقوف بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔

کمیٹی کے سربراہ اب یہ کہہ رہے ہیں کہ اس قانون کو کافی حد تک ٹھیک کردیا گیا ہے، کچھ کام باقی ہے اور اس کو قومی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں حل کرلیا جائے گا۔ راجہ ظفر الحق نے کہا کہ انتخابی قوانین میں ختمِ نبوت کے بارے میں حلف میں تبدیلی کی ترمیم ایک چال تھی، جسے حکومت نے بہت زیادہ تو حل کرلیا ہے، باقی آنے والے قومی اسمبلی کے اجلاس میں حل کرلیا جائے گا۔ انہیں دنوں امریکہ کے سینیٹروں نے پاکستانی وزارتِ خارجہ کو خط لکھا ہے کہ پاکستان قادیانیوں کے لیے تشویش ناک ہے، اس موقع پر پارلیمنٹ کی کشمیر کمیٹی کے چیئرمین مولانا فضل الرحمٰن صاحب حفظہٗ اللہ نے کہا ہے کہ قادیانیوں کے حق میں پاکستانی وزارتِ خارجہ کو امریکی سینیٹرز کو بھیجا جانے والا مشترکہ خط دراصل

پاکستان پر ایک دباؤ ہے، جس میں واضح کیا گیا ہے کہ پاکستان قادیانیوں کے لیے تشویش ناک ملک ہے۔ پاکستان پر کبھی ختمِ نبوت اور کبھی توہینِ رسالت جیسے حساس اُمور پر بیرونی دباؤ ڈالا جاتا رہا ہے، لیکن تازہ اطلاعات کے مطابق اب کئی امریکی سینیٹرز نے مل کر پاکستان کی وزارتِ خارجہ کو جو خط بھیجا ہے، اس پر پوری قوم ورطۂ حیرت میں ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت کراچی، ۳۰؍اکتوبر ۲۰۱۷ء)

ختمِ نبوت قانون کے متعلق جو گڑ بڑ کی گئی اور جسے جلد از جلد درست کرنا بہت ہی ضروری ہے، وہ یہ کہ الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء کی دفعہ ۲۴۱ کے مطابق الیکشن کے متعلق پہلے سے ملک میں رائج ۸؍قوانین کو کالعدم قرار دیا گیا ہے، اس کی زد میں قادیانیوں سے متعلق مذکورہ بالا دفعات والا قانون "Conduct of General Election order 2002" بھی آ گیا ہے، لہٰذا مذکورہ دفعات ۷-بی اور ۷-سی کالعدم ہو چکے تھے، لیکن دینی جماعتوں اور عوام کے دباؤ پر جب الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء میں حالیہ ترامیم کی گئیں تو اس کے نتیجے میں پرانی دفعات ۷-بی اور ۷-سی کو الیکشن ایکٹ کا باقاعدہ حصہ بنا کر نئی دفعات کے طور پر شامل نہیں کیا گیا اور نہ ہی نئے دفعات نمبر اُن کے لیے مختص کیے گئے، البتہ مذکورہ آخری دفعہ ۲۴۱ کی ذیلی دفعہ (F) کے آخر میں اضافہ کیا گیا کہ سارا قانون کالعدم قرار پائے گا، سوائے دفعات ۷-بی اور ۷-سی کے، لیکن ان دفعات کا متن وہاں لکھا ہوا نہیں ہے۔ اس طرح ان دونوں دفعات کا متن الیکشن ایکٹ میں شامل نہیں ہوگا، لہٰذا متن کی عدم موجودگی کی وجہ سے الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء کی کتاب جب شائع ہوگی یا کوئی نیٹ پر اس اصلاحاتی بل کو دیکھے گا تو اس میں ۷-بی اور ۷-سی کی دفعات شامل نہیں ہوں گی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ الیکشن ایکٹ میں جب یہ دفعات نہیں ملیں گی تو اس کی تنفیذ اور ان پر عمل درآمد مشکل ہو جائے گا۔ جب کہ صورتحال یہ ہے کہ الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء میں ووٹر لسٹ سے متعلق تین درجن سے زائد دفعات موجود ہیں، لیکن عقیدۂ ختمِ نبوت کے متعلق ان دونوں دفعات کا متبادل موجود نہیں ہے، اس طرح ووٹر لسٹوں میں قادیانیوں کے راستے کی تمام رُکاوٹیں ختم کر دی گئی ہیں اور اب وہ قادیانی آسانی سے مسلمانوں کی ووٹر لسٹ میں اپنے نام لکھوا سکتے ہیں اور نام نکلوانے کی کوئی دفعہ موجود نہیں ہے۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ پرانی دفعات ۷-بی اور ۷-سی کو الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء میں باقاعدہ علی الترتیب نئی دفعات ۳۷-اے اور ۳۷-بی کے طور پر شامل کیا جائے اور پوری عبارت جو پہلے قانون میں موجود تھی، اسے من وعن لکھ دیا جائے، نیز اس کے لیے مطلوبہ Form وغیرہ کو بھی بحال رکھا جائے۔

کیا وجہ ہے کہ جب ایک ملک نظریۂ اسلام کی بنیاد پر بنا اور ہر رکن اسمبلی اپنے کاغذاتِ نامزدگی میں یہ حلفیہ اقرار کرتا ہے کہ میں بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے کیے ہوئے اس اعلان کا وفادار رہوں گا کہ پاکستان معاشرتی انصاف کے اسلامی اصولوں پر مبنی ایک جمہوری مملکت ہوگی، میں صدقِ دل سے پاکستان کا حامی اور وفادار رہوں گا اور پاکستان کی خودمختاری اور سالمیت کا تحفظ اور دفاع کروں گا اور یہ کہ میں اسلامی نظریہ کو برقرار رکھنے میں کوشاں رہوں گا جو قیامِ پاکستان کی بنیاد ہے۔ اس کے باوجود وہ رکنِ اسمبلی اور وزیر بنتے ہی اس حلف کے ایک ایک جملہ اور ہر ہر حرف کی نہ صرف یہ کہ مخالفت کرتا ہے، بلکہ وہ اس کو اپنا حق سمجھتا ہے، کیا کہا جائے کہ ایسا شخص بانیِ پاکستان کے اعلان کی پاسداری کرر ہا ہے یا پاکستان کی سالمیت اور تحفظ کی بنیادیں کھوکھلی کرر ہا ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء کا مسودہ قانون ساز اداروں میں بعد میں پیش کیا جاتا ہے اور اپنے آقاؤں کے پاس منظوری کے لیے اُسے پہلے بھیجا جاتا ہے۔

کسی بھی باشعور اور سلیم الفطرت انسان سے پوچھا جائے کہ یہ عمل پاکستان اور بانیِ پاکستان سے وفاداری کا ثبوت ہے یا بے وفائی کا؟ اور جو گروہ دستوری اور آئینی طور پر غیرمسلم اقلیت قرار دیا گیا ہو، اسے مسلمان کہنا یا آئین کے باغیوں کو خوش کرنے کے لیے اُنہیں مراعات دینا اسلامی نظریہ کو دفن کرنے اور آئین ودستور سے غداری نہیں تو اور کیا ہے؟! کیا یہ وزراء اس بات کے مستحق نہیں کہ اُنہیں وزارت سے برطرف کرکے آئین وقانون سے بغاوت اور غداری کے جرم میں ان پر مقدمہ چلایا جائے؟!۔

عدالت نے نواز شریف کو نااہل قرار دیا تو عدالت کے مدمقابل اس کو اہلیت دلانے کے لیے حکومت نے ایسی پھرتی دکھائی کہ ہفتہ کے اندر اندر اس کے لیے قانون پاس کرالیا کہ عدالت سے نااہل قرار پانے والا شخص پارٹی سربراہ بن سکتا ہے، لیکن تقریباً دو مہینوں سے پوری قوم سراپا احتجاج ہے کہ عقیدۂ ختمِ نبوت کے متعلق الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء میں جو سقم جان بوجھ کر چھوڑا گیا ہے، اسے جلدی ٹھیک کیا جائے، اس کی شنوائی ہی نہیں، کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جان بوجھ کر پوری پارلیمنٹ اور پاکستانی قوم کو گمراہ کیا گیا ہے؟ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ وفاقی وزیرِ قانون نے جس این. جی. اوز کے کہنے پر بیرونی آقاؤں کی آشیرباد سے یہ کھیل کھیلا وہ بلاوجہ نہیں، اس کے پس منظر میں کئی خوفناک ارادے اور سازشیں کارفرما ہیں۔

بصائر وعبر یہاں تک لکھا ہی تھا کہ میڈیا کے ذریعے یہ خبر آگئی کہ اسلام آباد ہائی کورٹ نے حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب کی مدعیت میں کیس سنتے ہوئے الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء کی دفعہ ۲۴۱ سے منسوخ شدہ تمام قوانین بحال کردیئے ہیں اور وفاقی حکومت کو ۲۹؍نومبر تک جواب داخل کرنے کا حکم

دے دیا ہے، یہ خبر آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''اسلام آباد ہائی کورٹ نے الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء میں ختمِ نبوت سے متعلق ختم کیے گئے ۸؍قوانین بحال کردیئے، نئے ایکٹ کی شق ۲۴۱ کو معطل کرکے وفاق کو نوٹس جاری کردیا، جبکہ راجا ظفر الحق تحقیقاتی کمیٹی کی سربمہر رپورٹ بھی طلب کرلی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، متحدہ تحریک ختم نبوت رابطہ کمیٹی سمیت تمام دینی جماعتوں نے عدالتِ عالیہ اسلام آباد کے اس فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہوئے جسٹس شوکت عزیز صدیقی کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اسلام آباد ہائی کورٹ کے جج جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے الیکشن ایکٹ میں ترمیم کے خلاف مولانا اللہ وسایا کی درخواست پر سماعت کی۔ حافظ عرفات ایڈووکیٹ اور طارق اسد ایڈووکیٹ درخواست گزار کی طرف سے پیش ہوئے، جنہوں نے دلائل دیتے ہوئے بتایا کہ الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء کی شق ۲۴۱ کے تحت ملک میں رائج ۸؍اِنتخابی قوانین منسوخ کیے گئے ہیں۔ اس طرح سابقہ قوانین میں سے ختمِ نبوت سے متعلق شقیں بھی منسوخ ہوگئی ہیں۔ یہ اقدام آئین پاکستان سے متصادم ہے، کیونکہ آئینِ پاکستان بنیادی انسانی حقوق اور اسلامی تعلیمات کے خلاف کسی کو بھی قانون سازی کی اجازت نہیں دیتا، لہٰذا الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء کو کالعدم قرار دیا جائے۔ وفاق کی جانب سے ڈپٹی اَٹارنی جنرل عدالت میں پیش ہوئے اور انہوں نے موقف اختیار کیا کہ حکومت انتخابی اصلاحات بل کے ذریعے الیکشن کی طرف جارہی ہے، اس لیے عدالت وفاقی حکومت کو سنے بغیر انتخابی اصلاحات بل کو معطل نہ کرے، کیونکہ اگر الیکشن ایکٹ کو معطل کیا گیا تو اس سے ملک میں افراتفری مچ جائے گی۔ جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے ریمارکس دیے کہ چاہے آسمان بھی گرجائے کوئی پروانہیں۔ فاضل عدالت نے الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء کے سیکشن ۲۴۱ کے تحت ختم کیے گئے ۸؍سابقہ اِنتخابی قوانین کو بحال کردیا۔ عدالت نے اپنے تحریری فیصلے میں واضح کیا کہ نئے ایکٹ کے سیکشن ۲۴۱ کے تحت پورے کے پورے قوانین ختم کرنا آئین سے متصادم ہوگا، اس لیے الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء میں ختمِ نبوت سے متعلق پرانی شقیں بحال کی جارہی ہیں۔ الیکشن ایکٹ کی باقی شقوں پر اس حکم نامے کا اطلاق نہیں ہوگا۔ واضح رہے کہ اسلام آباد ہائی کورٹ نے ختمِ نبوت کے جن ۸؍قوانین کو بحال کیا ہے، ان میں الیکٹورل رولز ایکٹ ۱۹۷۴ء، حلقہ بندی ایکٹ ۱۹۷۴ء، سینیٹ الیکشن ایکٹ ۱۹۷۵ء،

عوامی نمائندگی ایکٹ ۱۹۷۶ء، الیکشن کمیشن آرڈر ۲۰۰۲ء، پولیٹیکل پارٹیز آرڈر ۲۰۰۲ء اور انتخابی نشانات الاٹ کرنے کا آرڈر ۲۰۰۲ء شامل ہیں۔ الیکشن ایکٹ ۲۰۱۷ء کی باقی شقوں پر حکم نامے کا اطلاق نہیں ہوگا۔ درخواست گزار نے سرکاری محکموں میں کام کرنے والے قادیانیوں کے اعداد وشمار سے متعلق رپورٹ بھی پیش کرنے کی درخواست کی تھی، جس پر عدالت نے وفاق سے ۱۴ دن میں رپورٹ طلب کرلی۔ دریں اثناء عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، نائب امیر مولانا عزیز احمد، مولانا حافظ ناصرالدین خاکوانی، ناظم اعلیٰ مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، مولانا اللہ وسایا، مولانا محمد اکرم طوفانی، مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، مولانا قاضی احسان احمد اور دیگر نے اپنے مشترکہ بیان میں اسلام آباد ہائی کورٹ کے فیصلے کو جرأت مندانہ قرار دیتے ہوئے خیرمقدم کیا اور کہا کہ پورے ملک میں تمام دینی جماعتیں الیکشن ایکٹ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کررہی ہیں، انہوں نے کہا کہ حکومت کو مسئلے کی نزاکت کا ادراک کرنا چاہیے اور اس گھناؤنی سازش کے ذمہ داروں کا تعین کرکے قرارِ واقعی سزا دینی چاہیے۔ حکومت تاحال ختم نبوت کے مسئلہ سے بے اعتنائی وبے وفائی کی روش اپنائے ہوئے ہے۔ عدالتی فیصلہ آنے کے بعد حکومت راہِ فرار اختیار کرنے کی بجائے مسلمانانِ پاکستان کے جذبات کے احترام میں اس معاملہ کو فوری حل کرے، جبکہ متحدہ تحریکِ ختمِ نبوت رابطہ کمیٹی نے فیصلے کا خیرمقدم کرتے ہوئے کہا کہ انتخابی حلف نامے سے عقیدۂ ختمِ نبوت کا حصہ حذف کرنے سے متعلق طویل دورانیے والی جوخطرناک سازش شروع ہوئی تھی، اسلام آباد ہائی کورٹ کے فیصلے سے اس سازش کے توڑ کا آغاز ہوگیا ہے۔ ختمِ نبوت رابطہ کمیٹی کے کنوینر اور مجلس احرارِ اسلام کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے اس عبوری عدالتی کارروائی کو نیک شگون قرار دیتے ہوئے اُسے تحریکِ ختمِ نبوت کی کامیابی سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ عقیدۂ ختمِ نبوت پر وار کرکے قادیانیوں کے لیے چور دروازہ کھولنے والے لیگی حکمران اور اس جرم کے مرتکبین پہلے کی طرح اب بھی ناکام ونامراد ہوں گے۔'' (روزنامہ اسلام، کراچی، ۱۶؍نومبر ۲۰۱۷ء، مطابق ۲۵؍صفر ۱۴۳۹ھ)

عدالت کے اس تاریخی فیصلے کے بعد قومی اسمبلی نے جمعیت علمائے اسلام کی طرف سے تیار کردہ بل (جس میں ۷-بی اور ۷-سی کو شامل کیا گیا) منظور کرلیا ہے اور سینیٹ سے بھی وہ پاس ہوگیا

ہے۔ امید ہے صدرِ پاکستان بھی جلد اس پر دستخط کر کے اس کو قانون کا حصہ بنا دیں گے۔ افادۂ عام کی غرض سے اس بل کا اصل مسودہ اور اس کا اُردو ترجمہ نذرِ قارئین ہے:

(AS PASSED BY THE NATIONAL ASSEMBLY)

A

BILL

to amend the Elections Act, 2017

WHEREAS it is expedient to amend the Elections Act, 2017 (XXXIII of 2017) for purposes hereinafter appearing; it is hereby enacted as follows:-

1. " Short title and commencernent.-

(1) This Act may be called the Elections (Amendment) Act, 2017 .

(2) It shall come into force at once.

2. Insertion of section 48A in Act XXXIII of 2017.-

In the Elections act, 2017 (XXXlll of 2017), hereinafter referred to as the 'said Act', after section 48, the following section 48A shall be inserted:

"48A. Status of Ahmadis etc. to remain unchanged.-

(1) Notwithstanding anything contained in this Act or any other law for the time being in force including Rules or forms prescribed thereunder, the status of Quadiani Group or the Lahori Group (who call themselves 'Ahmadis' ,or by any other name) or a person who does not believe in the absolute and unqualified finality of the Prophethood of Muhammad (peace be upon him), the last of the prophets or claimed or claims to be a Prophet, in any sense of the word or of any description whatsoever, after Muhammad (peace be upon him) or recognizes such a claimant as a Prophet or religious reformer shall remain the same as provided in the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan,1973.

(2) If a person has got himself enrolled as voter and objection is

filed before the Revising Authority notified under this Act that such a voter is not a muslim, the Revising Authority shall issue a notice to him to appear before it within fifteen days and require him to sign a declaration reproduced below regarding his belief about the absolute and unqualified finality of the Prophethood of Muhammad (Peace be upon him) In case he refuses to sign the declaration as aforesaid, he shall be deemed to be a Non-Muslim and his name shall be deleted from the joint electoral rolls and added to a supplementary list of voters in the same electoral area as Non- Muslim. In case the voter does not turn up in spite of service of notice, an ex-parte order may be passed against him.

Declaration and oath:

1.________________(name of the voter), do solemnly swear that I believ in the absolute and unqualified finality of the Prophethood of Muhammad (Peace be upon him), the last of the prophets and that I am not the follower of anyone who claims to be a Prophet in any sense of the word or of any description whatsoever after prophet Muhammad (Peace be upon him), and that I do not recognize such a claimant to be prophet or a religious reformer, nor do I belong to the Qadiani group or the Lahori group or call myself an Ahmadi.

(Name and Signature of Voter)

میں..................................(ووٹر کا نام) حلفیہ اقرار کرتا/کرتی ہوں کہ میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر مکمل اور غیر مشروط طور پر ایمان رکھتا/ رکھتی ہوں اور یہ کہ میں کسی ایسے شخص کا/ کی پیروکار نہیں ہوں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس لفظ کے کسی بھی مفہوم یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبر ہونے کا دعوے دار ہو اور نہ ہی میں ایسے دعوے دار کو پیغمبر یا مذہبی مصلح مانتا/ مانتی ہوں اور نہ ہی میں قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ سے تعلق رکھتا/ رکھتی ہوں یا خود کو احمدی کہتا/ کہتی ہوں۔

(ووٹر کا نام و دستخط)

3. Amendment of section 241 in Act XXXIII of 2017.

In the said Act, in section 24l,in clause (f), before the semicolon, the expression "except Articles 1, 7B and 7C" shall be omitted.

STATEMENT OF OBJECTS AND REASONS

The Bill seeks to incorporate and reaffirm the provisions of Articles 7B and 7C of the Conduct of General Elections Order, 2002 (Chief Excutive's Order No.7 of 2002) through addition of a new section 48A in the Elections Act, 2017. This Bill is in accordance with the suggestion earlier made by the Government in this regard. Hence, this Bill.

ZAHID HAMID
MINISTER FOR LAW & JUSTICE

....

﴿الیکشن ایکٹ 2017ء میں ترمیم﴾

یہ کہ درج ذیل مقاصد کے لیے الیکشن ایکٹ 2017ء (XXX111-2017) ضروری ہے

قانون سازی درج ذیل ہے:

1. مختصر سرورق اور آغاز

[۱] یہ ایکٹ الیکشن ترمیم 2017ء ہے۔

[۲] اس کا اطلاق فوری ہوگا۔

2. ایکٹ XXX-111-2017 میں سیکشن A-48 کا داخلہ

الیکشن ایکٹ 2017 (XXX-111-2017) میں A-48 اندراج کیا جائے گا۔

48-A احمدیوں کی حیثیت غیر تبدیل شدہ

1- باوجود یہ کہ وقتی طور پر اس ایکٹ میں یا دیگر قانون نافذ کردہ بشمول اس میں شامل قوانین یا فارمز کے تحت قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ وہ جنہیں احمدیوں یا دیگر نام کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں یا وہ شخص جو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول ماننے پر ایمان نہ رکھتے ہوں یا اس لفظ کے کسی بھی مفہوم یا کسی بھی تشریح میں اپنے آپ کو رسول ہونے کا دعویٰ کریں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے آپ کو بطور رسول یا مذہبی مجدد کہلائے، جیسا کہ اسلامی جمہوری پاکستان کے آئین 1973ء میں فراہم کیا گیا ہے۔

2- اگر کوئی شخص اپنے آپ کو بطور ووٹر اندراج کرائے اور اس ایکٹ کے تحت مستند اَتھارٹی کو اعتراض اندراج کراتا ہے کہ مذکورہ ووٹر مسلمان نہیں ہے تو متعلقہ اتھارٹی کو نوٹس جاری کرے گا کہ وہ 15 دن کے اندر ان کے سامنے پیش ہو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول

ہونے پر ایمان رکھنے کا درج ذیل اقرار نامہ پر دستخط کرے، اگر وہ اس اقرار نامہ پر دستخط کرنے سے انکار کرے تو وہ غیر مسلم تصور کیا جائے گا تو اس کا نام مشترکہ الیکٹرول رولز میں سے خارج کر دیا جائے گا اور غیر مسلم کی حیثیت سے اس کا نام الیکٹرو اریا میں ووٹرز کی ضمنی لسٹ میں شامل کیا جائے گا۔ نوٹس کی سروس کے باوجود ووٹر حاضر نہ ہو تو اس کے خلاف یکطرفہ آرڈر پاس کیا جائے گا۔

﴿حلف نامہ/اقرار نامہ﴾

میں ....(ووٹر کا نام) حلفیہ اقرار کرتا/کرتی ہوں کہ میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر مکمل اور غیر مشروط طور پر ایمان رکھتا/رکھتی ہوں اور یہ کہ میں کسی ایسے شخص کا/کی پیروکار نہیں ہوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس لفظ کے کسی بھی مفہوم یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبر ہونے کا دعوے دار ہو اور نہ ہی میں ایسے دعوے دار کو پیغمبر یا مذہبی مصلح مانتا/مانتی ہوں اور نہ ہی میں قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ سے تعلق رکھتا/رکھتی ہوں یا خود کو احمدی کہتا/کہتی ہوں۔

(ووٹر کا نام و دستخط)

3. ایکٹ (XXX-111-2017) میں سیکشن 241 میں ترمیم مذکورہ ایکٹ میں سیکشن 241 میں سیمی کالم سے پہلے کلاز (F) ماسوائے آرٹیکلز 7-B اور 7-C حذف کیا جائے گا۔

﴿مقاصد اور اسباب کا بیان﴾

بل کے تحت جنرل الیکشن آرڈر 2002 کے آرٹیکلز 7-B اور 7-C کے قانون کو متحد اور دوبارہ توثیق (چیف ایگزیکٹو آرڈر نمبر 2002|7) نئے سیکشن 48-A کا اضافہ الیکشن ایکٹ 2017 میں درکار ہے۔ یہ بل حکومت کی جانب سے بھی پیش کیا گیا ہے۔''

....

اللہ تبارک وتعالیٰ جمعیت علمائے اسلام اور پارلیمنٹ کے تمام اراکینِ اسمبلی اور اس بل میں جن جن حضرات نے اجتماعی یا انفرادی طور پر کوششیں جدو جہد اور کاوشیں کی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کی مساعیِ جمیلہ کو قبول ومنظور فرمائے اور آخرت میں حضور خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے اور ہمارے ملک پاکستان کی ہر قسم کے فتنوں سے حفاظت فرمائے اور اس کے دشمنوں کو ناکام ونامراد بنائے، آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

مکاتیب علامہ محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ

...بنام...مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

(نویں قسط)

﴿ مکتوب:......۱۶ ﴾

جناب صاحبِ کمال وفضیلت، عمدہ اخلاق سے مزین، علامہ، محقق، مولانا سید محمد یوسف بنوری حفظہٗ اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام! اللہ تعالیٰ سے خیر وعافیت کے ساتھ آپ کے بقائے طویل کی اُمید رکھتے ہوئے انتہائی احترامِ اشتیاق (کا نذرانہ) پیش کرتا ہوں، آپ کے مجلسِ علمی لوٹ جانے کی خبر سے بے حد مسرت ہوئی، (آپ کے حق میں وہیں) لوٹنا ہی بہتر ہے۔ گزشتہ ایک سال تازہ دم ہونے میں گزر جانا بھی خیر ہی ہے۔ یہ (بھی آپ کے لیے) اللہ تعالیٰ کا اختیار کردہ (فیصلہ) تھا، اس لیے کہ یوں الحمد للہ! اس صحت بخش فضا میں آپ کی پوری توانائی لوٹ آئی، اب بلا تکان وانقباض تسلسل کے ساتھ شرحِ ترمذی کا کام کرنا آپ کے لیے ممکن ہے، اور اللہ کے فضل سے امید ہے کہ تمام اُمور آپ کی خواہش کے موافق مکمل ہوں گے، اگر چہ اتنے جلد نہ ہوں جس کی آپ کو توقع ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہی توفیق عنایت فرماتے ہیں۔ آپ کی بلند شخصیت سے ہم بڑی اُمیدیں رکھتے ہیں کہ علمی خدمت (کے میدان میں) ایسی مفید تالیفات منظر عام پر لائیں گے جن سے اللہ ورسول اور اہلِ حق کی جماعت خوش ہوگی۔ شاید میرا آخری خط مجلسِ علمی کے ارادے سے شہر سے روانگی کے روز تک آپ کو موصول نہیں ہوا، اس لیے اس کے متعلق آپ کو کچھ یاد نہیں رہا، ممکن ہے اب تک آپ کو نہ پہنچا ہو۔ مجلس میں قیمتوں کی گرانی ایک

عمومی معاملہ ہے، تمنا ہے کہ یہ بادل چھٹ جائے، لیکن گلاب کے پھول بھی کانٹوں سے خالی نہیں ہوا کرتے ۔ آنجناب سے اُمید ہے کہ مولانا کشمیریؒ کی ’’**التصریح بما تواتر فی نزول المسیحؑ**‘‘ بذریعہ ڈاک ارسال فرمادیں گے، اگر ایسا ممکن ہو تو میں بے حد شکر گزار ہوں گا ۔

مولانا، علامہ، محدثِ یگانہ، شیخ، مفتی مہدی حسن (شاہ جہاں پوری) کی قیمتی صحت کے بحال ہونے اور ان کے اپنی قیمتی تالیفات کی تکمیل میں دوبارہ مشغول ہونے پر بہت زیادہ مسرت ہوئی ۔ ہم (کتاب) الآثار (بروایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ) پر ان کی مفید شرح کے منظر عام پر آنے اور (امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہی کی کتاب) ’’**الحجة علی أهل المدينة**‘‘ [(۱)] پر ان کے عظیم کام کے مکمل ہونے کے انتہائی مشتاق ہیں ۔ اللہ جل شانہ کی توفیق سے (اپنے موضوع پر) یہ تالیفات پہلے پہل طبع ہونے والی ہوں گی، میں ان کی دست بوسی کرتا ہوں، اور ہر خیر کی دعا کرتے ہوئے ان کی جناب میں پاکیزہ سلام اور خالص احترام پیش کرتا ہوں، اور اس عاجز کے حق میں اس حسین تعریف کے ادنیٰ استحقاق کے بغیر ان کے ان خوبصورت جملوں پر شکر گزار ہوں ۔ کامل کو (ہر جگہ) کمال ہی دکھائی دیتا ہے، (دراصل) انہوں نے آئینے میں اپنا ہی عکس کریمانہ دیکھ لیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہر زبان میں ان کے علوم سے ایمان والوں کو فائدہ پہنچائے اور خیر و عافیت کے ساتھ اُنہیں بقائے طویل عنایت فرمائے، چونکہ ان کا پتہ میرے علم میں نہیں، اس لیے آپ کے جواب کے ضمن میں اُنہیں بھی جواب دے رہا ہوں، اور مجلس (علمی) کے پتے پر آنجناب کے واسطے سے ’’**الإشفاق**‘‘ [(۲)]، ’’**إحقاق الحق**‘‘، ’’**تأنيب**‘‘، ’’**النكت**‘‘، ’’**بلوغ الأماني**‘‘ اور ابن حزم (رحمۃ اللہ علیہ) کی ’’**النبذ**‘‘ ارسال کی ہیں، امید ہے ان کی خدمت میں پہنچادیں گے ۔ ان میں کسی چیز کی تصحیح نہیں کرسکا، آخر کے نقشہ جات کے علاوہ ان میں غلطیاں (کافی) ہیں ۔

اخی فی اللہ، مولانا، علامہ، محقق ابوالوفاء کی چستی و نشاط سے میں بہت متاثر ہوں، اور ان شاء اللہ! ہر نوع کی سلامتی کے ساتھ اس سفرِ سعید پر آپ پر بھی رشک آتا ہے، اور میری خاص دعاؤں میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ علمی خدمات اور جماعت (اہلِ حق) کے دفاع کی خاطر دیگر بھائیوں سمیت آنجناب، مولانا مفتی مہدی حسن اور بھائی مولانا ابوالوفاء کو خیر و عافیت کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے، اللہ سبحانہٗ ہی (دعاؤں کو) قبول فرمانے والے ہیں ۔

برادرِ عزیز مولانا سید احمد بجنوری کے جواب کا حظ حاصل نہیں کرپایا، امید ہے وہ اپنے شہر میں بخیر و عافیت ہوں گے، اور (آپ سے) توقع ہے کہ ان کے احوال کے متعلق مجھے آگاہ کریں گے ۔ اُنہیں میرا انتہائی احترام اور شوق (ومحبت کا پیغام) پہنچادیجیے ۔ آپ سب کی مقبول دعاؤں کا متمنی

ہوں۔ میرے عزیز بھائی! اللہ تعالیٰ بخیر و عافیت آپ کو لمبی زندگی سے نوازے۔

مخلص

محمد زاہد کوثری

۵؍رمضان ۱۳۶۶ھ

شارع عباسیہ نمبر ۶۳، مصر قاہرہ

آپ کو ماہِ رمضان المبارک اور اس کے بعد عید سعید کی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ شیخ صبری الحمدللہ! خیریت سے ہیں، استاذ حمامی ایک سال سے فالج کا شکار ہیں، میرے معزز بھائی! ان کے لیے دعائے صحت کیجیے گا۔

حواشی

۱:......مولانا مہدی حسن شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ’’الحجة على أهل المدينة‘‘ پر حاشیہ نویسی کا یہ کام صفر سنہ ۱۳۸۷ھ میں مکمل کرلیا تھا، اور یہ کتاب سنہ ۱۳۹۰ھ میں ’’دائرة المعارف العثمانية‘‘ نے چار حصوں میں چھاپ دی تھی۔ افتاء کی مشغولیت اور گوناگوں امراض میں ابتلاء کے باوجود مولانا لگ بھگ بیس برس تک یہ کام کرتے رہے۔ دیکھیے: ’’کتاب الحجة‘‘ (ج:۱، ص:۴۱۲، ج:۴، ص:۴۱۷-۴۱۸)

۲:......’’الإشفاق على أحكام الطلاق‘‘ علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے، جو شیخ احمد محمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ کے بعض افکار کی تردید میں لکھی گئی ہے۔

(جاری ہے)

ماہنامہ ’’بینات‘‘ کی خصوصی اشاعتیں

①	حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ	400/= روپے
②	حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ	500/= روپے
③	حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ	400/= روپے
④	حضرت مفتی محمد جمیل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ	400/= روپے
⑤	حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ	350/= روپے
⑥	حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہید رحمۃ اللہ علیہ	100/= روپے
⑦	حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ	100/= روپے

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

اور محفلِ میلاد

مرسلہ: نعمان امین

..............اگر کوئی شخص ملازمانِ شاہی میں سے سرِدربار بادشاہ سے زیادہ کسی وزیر، مشیر کی تعظیم کرے تو وہ تعظیم چوں کہ موجبِ توہینِ بادشاہی ہے، اس لیے بہ وجہ تعظیمِ مفرطِ وزیر، یہ تعظیم کرنے والا مستوجبِ عتابِ بادشاہی ہوگا۔ تعظیمِ وزیر کچھ کام نہ آئے گی، بلکہ خود وزیر بہ وجہِ مذکور درپے تذلیلِ شخصِ مذکور ہوجائے گا۔ جب یہ بات ذہن نشین ہوچکی تو اب سنیے!

اعلیٰ درجے کی وہ مجلس ہے جس میں قرآن وحدیث پڑھا جائے اور بیانِ احکامِ خداوندی کیا جائے۔ اور کیوں نہ ہو! انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس غرض سے بھیجے گئے کہ احکامِ خداوندی پہنچائیں اور کتبِ مقدسہ اسی غرض سے نازل کی گئیں کہ احکامِ خداوندی معلوم ہوجائیں، خود خداوندِ کریم فرماتا ہے:

’’وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔‘‘ (سورۂ ذاریات:۵۶)

’’اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد ہے:

’’وَمَآ أُمِرُوْآ إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۔‘‘ (سورۂ بینہ:۵)

’’اور ان کو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں خالص کر کے اس کے واسطے بندگی۔‘‘

اور ظاہر ہے کہ عبادت اطاعتِ احکام کا نام ہے، اس لیے وہ مجلس جس میں بیانِ احکام ہو اعلیٰ درجے کی مجلس ہوگی، کیوں کہ غرضِ اصلی عبادت ہے، چناں چہ دونوں آیتیں اس پر شاہد ہیں، بے بیانِ احکام محقق نہیں ہوسکتے۔ غرض! مجلس وعظ و درسِ قرآن وحدیث کے برابر کوئی محفل نہیں۔ پھر ستم یہی نہیں کہ اس محفل کے لیے تو کچھ اہتمام نہ ہو، نہ اس میں برکت کی امید ہو جو محفلِ میلاد شریف سے

رکھتے ہیں اور نہ اس کے لیے فرش وفروش، روشنی وشیرینی وغیرہ ہو جو محفلِ میلاد کے لیے مہیا کی جاتی ہے۔ علاوہ بریں میلاد کی یہ دولت جماعت سی واجب چیز کو ترک کیا جائے اور جماعت کے لیے میلاد شریف ترک نہ کیا جائے اور یہ اس قسم کی بات نہیں تو اور کیا ہے کہ بادشاہ سے زیادہ وزیر کی تعظیم کی جائے۔

پھر اس پر قیام معمول بہ اگر بہ ایں اعتقاد ہے کہ روحِ پرفتوح حضرت سرورِ عالم ﷺ اس وقت رونق افروز ہوتی ہے تو یہ اعتقاد بے سند ہے کہ جس کا پتا نہ قرآن میں نہ نشانِ حدیث میں۔ اگر یہ بدعت نہ ہوگا تو اور کون سی چیز بدعت ہوگی؟ شیعوں اور خوارج کے اعتقادات جو اُن کے مبتدع اور فعال ہونے کی وجہ سمجھی گئی تو کیوں سمجھی گئی؟ اس بے سند ہونے کے باعث۔ اور اگر بہ ایں خیال یہ اہتمامِ قیام ہے کہ بعض اولیائے کبار اس وقت کھڑے ہوئے تھے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہم بھی اسی طرح مشرف بہ زیارت ہوتے ہیں جیسے وہ اولیاء مشرف ہوئے تھے؟

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بعض اولیائے کبار اربابِ حال کو وقتِ ذکرِ ولادتِ شریف دولتِ زیارت میسر آئی تھی، اس لیے اُن کے واسطے اُٹھنا ضرور ہوا۔ بے شک اگر وہ اس وقت نہ اُٹھتے تو عجب نہ تھا کہ اس بد تعظیمی کے سبب اپنے مرتبہ ومقام سے گر جاتے، مگر عوام الناس جو اُن کی اقتدا کرتے ہیں گویا زبانِ حال سے یوں جتلاتے ہیں کہ گویا ہم بھی دولتِ زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اب کہیے یہ کس درجے کی ریا ہے؟!

بعض اولیاء کو چند بار یہ اتفاق ہوا کہ اپنے حلقے میں ''یا شیخ بہاء الدین شیأً للہ'' کہا، ان کے ایک مرید نے بھی کہنا شروع کر دیا، حضرتؒ نے فرمایا: تم کیوں کہتے ہو؟ مرید نے کہا کہ آپ کہتے ہیں، میں بھی کہتا ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: مجھ کو تو حضرتؒ کی زیارت میسر آتی ہے، اس لیے کہہ پڑتا ہوں، تو جو کہتا ہے کیوں کہتا ہے؟ غرض! حضرتؒ نے اس کو منع فرمایا اور اپنی اقتداء اور اتباع کی اس امر میں اجازت نہ دی۔ ایسے میں جن صاحبوں نے وقتِ مذکور پر قیام کیا، وہ مشرف بہ زیارت ہوئے تھے، عوام کو ان کا اقتداء جائز نہیں۔

باقی یہ کہنا کہ ہم بہ غرضِ تعظیم اسمِ مبارک کھڑے ہوتے ہیں، یہ ایسی بے ہودہ بات ہے کہ کوئی عاقل تسلیم نہیں کر سکتا۔ کیا اس وقت آپ مستحقِ تعظیم ہوتے ہیں؟ اس سے آگے پیچھے ان لوگوں کے نزدیک مستحقِ تعظیم نہیں ہوتے؟ افسوس! حضور ﷺ کے ذکرِ پرانوار کو ایسی ایسی واہیات سے ناواقفوں نے خراب کر دیا۔

اس لیے اپنا یہ قول ہے کہ ہمارے لیے تو مولود شریف اگر کریں جائز بلکہ مستحب ہے، پر رواج کے موافق کرنے والوں کے حق میں جائز نہیں۔ ہاں! گوشۂ تنہائی میں بے قیام کوئی کبھی بہ تقاضائے محبت

بہ روایاتِ صحیحہ پڑھ لیا کرے تو سبحان اللہ! پر ان روایاتِ ضعیفہ موضوعہ کا پڑھنا یوں بھی جائز نہیں۔

غرض اصل سے ذکرِ بابرکت حضرت سرورِ عالم علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات عمدہ حسنات میں سے تھا، گو ذکرِ احکام اور استماعِ احکام بہ غرضِ اطاعت وتبلیغ حقیقت میں ذکرِ ملکِ علام ہے، مگر جیسے تنجن وزعفران وغیرہ اطعمۂ لذیذہ اصل سے عمدہ غذا ہوتی ہے، پر زہر مل جائے تو باوجود عمدگی خراب ومہلک ہوجاتی ہیں اور اس وقت بہ وجہ اختلاطِ زہر باوجود لذتِ معلومہ اس لذت کا ترک ضروری ہے، چہ جائے کہ بہ وجہ لذت زہرِ مخلوط کا کھانا عمدہ سمجھا جائے؟! ایسے ہی ذکر خیر البشر ﷺ متضمنِ ولادت ہو یا متضمنِ وفات عمدہ خیرات میں سے ہے۔ پر بالائی خرابیوں کے باعث واجب الاحتراز ہے، چہ جائے کہ خرابی ہائے مذکورہ بہ وجہ عمدگیِ سفوہ واجب الارتکاب ہوں۔

العبد محمد قاسم

نوٹ:.......... یہ تحریرِ مبارکہ ۱۹/ربیع الثانی ۱۲۹۷ھ/۲/مارچ ۱۸۸۰ء کی ہے اور سہ ماہی ''احوال وآثار'' کاندھلہ، ج:۱، شمارہ:۳، جنوری تا مارچ ۲۰۰۸ء، ص:۱۳-۱۴ سے ماخوذ ہے۔

..... ✿ ..... ✿ ..... ✿ .....

وہ ہاشمی و مُطَّلِبی!

(حضور ﷺ کے آباء واجداد کا تذکرہ)

مولانا گل نواز اَیوبی

حضور ﷺ کی مبارک زندگی کو پڑھا اور سنا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ انسانی عظمت کی جہاں انتہا ہوتی ہے، وہاں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمتوں کی ابتدا ہوتی ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معیارِ زندگی اتنا اعلیٰ واطہر تھا کہ آپ نے اپنی زندگانی کی خواہشات کو رضائے الٰہی پہ قربان کیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کی گفتگو رضائے باری تعالیٰ کا مظہر تھی، بندگی وعبودیت کو آپ ﷺ پر ناز تھا، آپ ﷺ کے چلن پر زمین رشک کرتی تھی، پتھر موم بن جاتے تھے۔ اولاد کے حق میں آپ ﷺ کا پدری جذبہ ہر والدین کے لیے نصابِ فوز وفلاح ہے، انسانوں پر آپ ﷺ کا جذبۂ ترحم وشفقت بے مثال تھا، دشمنوں پر عفو ودرگزر آپ ﷺ کا کمال تھا۔ آپ ﷺ جس بستی میں پیدا ہوئے وہ تاحشر انسانیت کے لیے مرکزِ خیر بن گئی اور آپ ﷺ جن پشتوں کے واسطے سے آئے ان کی طہارت ونظافت، پاکیزگی وشرافت اور حسن وجمال بے مثال حقیقتِ لازوال بن گئی۔ آپ ﷺ کا حسب ونسب آسمان کی طرح کھلی کتاب اور سفید بادلوں کی طرح صاف وشفاف ہے۔

حضور ﷺ کی سیرتِ مبارک کو جتنے سیرت نگاروں نے زینتِ اَوراق بنا کر کتابی صورتوں میں پیش کیا تو اکثر سیرت نگاروں نے ابتدا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسب ونسب سے کی۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنے حسب ونسب پر گفتگو کو حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن پاک کی آیت: ''لَقَدْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِکُمْ '' کو بفتح الفاء ''أَنْفَسِکُمْ'' پڑھا، جس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ بے شک آئے تمہارے پاس اللہ کے رسول تمہارے اشرف اور افضل اور سب سے زیادہ نفیس خاندان سے۔ اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''أنا أنفسکم نسبًا وصھرًا لیس فی آبائی من لدن آدم سفاح، کلنا نکاح۔''

''میں باعتبارِ حسب ونسب افضل اور بہتر ہوں، میرے آباء واجداد میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام

سے لے کر اب تک کہیں زنا نہیں، سب نکاح ہے۔'' (رواہ ابن مردویہ، بحوالہ سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ تک جس قدر آباء واجداد اور اُمہات وجدات سلسلۂ نسب میں واقع ہیں، وہ سب کے سب محصنین اور محصنات یعنی سب عفیف اور پاکدامن تھے، کوئی فرد اُن میں زنا کے ساتھ کبھی ملوث نہیں ہوا۔ ایسے نیک بندے کہ جن کو حق جل شانہٗ نے اپنی نبوت ورسالت کے لیے منتخب فرمایا ہو تو ان کا سلسلۂ نسب ایسا ہی پاک اور مطہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اصلابِ طیبین سے ارحامِ طاہرات کی طرف پاک وصاف منتقل فرماتا ہے۔ حق جل وعلا نے جس کو اپنا مصطفیٰ اور مجتبیٰ بنایا تو اس کے مصطفیٰ بنانے سے پہلے اس کے نسب کو ضرور مصطفیٰ اور مجتبیٰ، مہذب اور مصفّٰی بنایا۔ قیصر روم نے جب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کے نسب کے متعلق سوال کیا کہ: ''کیف نسبه فیکم؟'' ان کا نسب کیسا ہے؟ تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''**هو في حسب ما لايفضل عليه أحد، قال: هذهٖ آية۔**''

''حسب (ونسب اور خاندانی شرافت) میں کوئی ان سے بڑھ کر نہیں، تو قیصر روم نے کہا: یہ بھی ایک علامت ہے۔''

یعنی نبی ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کا خاندان اعلیٰ اور اشرف ہے۔

حضرت محمد ﷺ کا سلسلۂ نسب جو عالم کے تمام سلاسلِ انساب سے اعلیٰ اور برتر اور سب سے افضل وبہتر ہے، وہ سلسلۃ الذہب اور شجرۃ النسب یہ ہے:

''**سیدنا ومولانا محمد ﷺ بن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصي بن کلاب بن مرة بن کعب بن لوی بن غالب بن فهر بن مالک بن نضر بن کنانة بن خزیمة بن مدرکة بن إلیاس بن مُضر بن نزار بن معدّ بن عدنان۔**''

(بخاری شریف، باب مبعث النبی ﷺ بحوالہ سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نسب شریف کو بیان فرماتے تو عدنان سے تجاوز نہ فرماتے، عدنان تک پہنچ کر رُک جاتے۔

حضور ﷺ کے آباء وجداد کا مختصر تذکرہ وتعارف

عدنان:...... آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور ملتِ ابراہیمی پر تھے۔

معدّ:...... اس قبیلہ کے لوگ بڑے بہادر اور جنگ جو تھے، ساری عمر بنی اسرائیل سے جنگ اور مقابلہ میں گزری اور ہر لڑائی میں مظفر ومنصور رہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ امام طبریؒ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ معد بن

عدنان، بخت نصر کے زمانے میں بارہ سال کے تھے تو اس زمانے کے پیغمبر ارمیاء بن حلقیاء علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ بخت نصر کو اطلاع دو کہ ہم نے اس کو عرب پر مسلط کیا اور آپ معدّ بن عدنان کو اپنے براق پر سوار کرلیں، تاکہ معدّ کو کوئی صدمہ نہ پہنچے کہ:

''فإني مستخرج من صلبهٖ نبياً كريماً أختم به الرسلَ''

''اس لیے کہ میں معدّ کی صلب سے ایک محترم نبی پیدا کرنے والا ہوں، جس سے پیغمبروں کا سلسلہ ختم کردوں گا۔''

تو حضرت ارمیاء علیہ السلام معدّ بن عدنان کو اپنے ہمراہ براق پر سوار کرکے ملکِ شام لے گئے۔

نزار:...... نزار کے معنی قلیل کے ہیں، ابوالفرج اصبہانی فرماتے ہیں کہ: ''نزار چونکہ اپنے زمانہ کے یکتا تھے، یعنی ان کی مثال کم تھی، اس لیے نزار ان کا نام پڑ گیا۔'' علامہ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ: ''جب نزار پیدا ہوئے تو ان کی پیشانی نورِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے چمک رہی تھی، باپ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اسی خوشی میں دعوت کی اور یہ کہا:

''هذا كلهٗ نَزَرٌ لحق هذا المولود، فسمي لذلك۔''

''یہ سب کچھ اس مولود کے حق کے مقابلے میں بہت قلیل ہے، اس لیے نزار نام رکھا گیا۔''

مضر:...... آپ کا اصل نام عمرو تھا، مضر لقب تھا، نہایت خوش الحان تھے، اونٹوں پر حدی پڑھنا انہی کی ایجاد ہے۔ بڑے حکیم ودانا تھے۔ آپ کے کلماتِ حکمت میں سے ہے کہ:

''من يزرع شراً يحصد ندامةً وخير الخير أعجلهٗ۔''

''جو شر کو بوئے گا وہ شرمندگی کاٹے گا اور بہترین خیر وہ ہے جو جلد ہو۔''

الیاس:...... حضرت الیاس علیہ السلام کے ہم نام تھے، بیت اللہ کی طرف ہدی بھیجنے کی سنت سب سے پہلے الیاس بن مضر نے ہی جاری کی۔ کہا جاتا ہے کہ الیاس بن مضر اپنی صلب (پشت) سے نبی اکرم ﷺ کا تلبیۂ حج سنا کرتے تھے۔

مدرکہ:...... عمرو نام تھا، مدرکہ لقب تھا جو کہ ادراک سے مشتق ہے، چونکہ آپ نے ہر قسم کی عزت ورفعت کو پایا، اسی لیے مدرکہ لقب پڑ گیا۔

خزیمہ:...... آپ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، فرماتے ہیں: ''خزیمہ ملتِ ابراہیمی پر تھے اور اسی پر انتقال ہوا۔''

کنانۃ:...... عرب میں بڑے جلیل القدر سمجھے جاتے تھے، آپ کے علم وفضل کی وجہ سے دور دراز سے لوگ مستقل آپ کی زیارت کو آتے تھے۔

نضر:...... نضارۃ سے مشتق ہے، جس کے معنی رونق وتروتازگی کے ہیں۔ حسن وجمال کی وجہ سے آپ کو نضر کہنے لگے، اصل نام قیس تھا۔

مالک:...... مالک نام تھا اور ابوالحارث کنیت تھی، عرب کے بڑے سرداروں میں سے تھے۔

فہر:...... ان کا لقب قریش ہے اور انہی کی اولاد کو قریشی کہتے ہیں۔

کعب: سب سے پہلے جمعہ کے دن جمع ہونے کا طریقہ کعب بن لوی نے جاری کیا۔ آپ جمعہ کے روز لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھتے تھے، اول خدا کی حمد وثنا بیان کرتے، پھر پند ونصائح کرتے، پھر یہ فرماتے کہ: ''میری اولاد میں ایک نبی ہونے والے ہیں، اگر تم ان کا زمانہ پاؤ تو ضرور ان کا اتباع کرنا'' اور یہ شعر پڑھتے:

یا لیتنی شاهد فحواء دعوته

إذا قریش تبتغي الحق خذلانا

''کاش! میں بھی ان کے اعلانِ دعوت کے وقت حاضر ہوتا، جس وقت قریش ان کی اعانت سے دست کش ہوں گے۔''

مُرَّۃ:...... جو شخص شجاع اور بہادر ہوتا تو عرب اسے مُرہ کہتے کہ یہ شخص اپنے دشمنوں کے لیے بہت تلخ ہے۔

کلاب:...... ابوالرقیش اعرابی سے کسی نے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تم لوگ اپنی اولاد کے لیے کلب، ذئب قسم کے برے نام اور اپنے غلاموں کے لیے مرزوق، رباح جیسے عمدہ نام تجویز کرتے ہو؟ ابوالرقیش اعرابی نے جواب دیا: بیٹوں کے نام دشمنوں کے لیے اور اپنے غلاموں کے نام اپنے لیے رکھتے ہیں۔ آپ شکار کے شائق تھے، شکاری کتے جمع رکھتے تھے، اس لیے ان کا نام بھی کلاب پڑ گیا۔

قصی:...... نام مجمع تھا، آپ نے چونکہ قریش کے متفرق قبائل کو جمع کیا تھا، اس لیے ان کو مجمع کہتے تھے۔ آپ حکیم ودانا تھے، آپ کے کلماتِ حکمت میں نقل کیا گیا ہے کہ:

''جو لئیم اور کمینہ کا اکرام کرے، وہ بھی اس لؤم اور کمینہ پن میں شریک ہے، جو اپنے مرتبہ سے زیادہ طلب کرے وہ مستحقِ محرومی ہے اور حاسد دشمنِ خفی ہے۔''

عبدمناف:...... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: عبدمناف کا نام مغیرہ تھا، نہایت حسین وجمیل تھے، اسی وجہ سے ان کو ''قمر البطحاء'' بھی کہتے تھے۔

ہاشم:...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وامام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہاشم کا نام عمرو تھا، مکہ میں قحط تھا تو ہاشم نے شوربہ میں روٹیاں چور کر اہل مکہ کو کھلائیں، اس لیے ان کا نام ہاشم پڑ گیا۔ ''هشم'' کے معنی چورہ

کرنے کے ہیں اور ہاشم اسی کا اسم فاعل ہے۔ آپ نہایت سخی تھے، آپ کا دسترخوان بہت وسیع تھا، ہر وارد وصادر کے لیے آپ کا دسترخوان حاضر تھا۔ غریب مسافروں کو سفر کے لیے اونٹ عطا فرماتے تھے۔ نہایت حسین وجمیل تھے، نورِ نبوت آپ کی پیشانی پہ چمکتا تھا۔ علماء بنی اسرائیل جب آپ کو دیکھتے تو سجدہ کرتے اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔ قبائل عرب اور علماء بنی اسرائیل نکاح کے لیے اپنی لڑکیاں ہاشم پر پیش کرتے تھے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ ہرقل شاہ روم نے ہاشم کو خط لکھا کہ مجھ کو آپ کے جود وکرم کی اطلاع پہنچی ہے، میں اپنی شہزادی کو جو حسن وجمال میں یگانۂ روزگار ہے کو آپ کی زوجیت میں دینا چاہتا ہوں۔ ہاشم نے شہزادی کے نکاح سے انکار کردیا، جبکہ اس طرف شاہ روم کا مقصد اصلی یہ تھا کہ وہ نورِ نبوت جو ہاشم کی پیشانی پہ چمک رہا ہے، اس کو اپنے گھرانے میں منتقل کردے۔

عبدالمطلب:...... نام شیبۃ الحمد ہے، نہایت حسین وجمیل تھے۔

علی شیبۃ الحمد الذی کان وجھہ
یضیئ ظلام اللیل کالقمر البدری

’’چودہویں رات کے چاند کی طرح شیبۃ الحمد کا چہرہ رات کی تاریکی کو روشن کرتا تھا۔‘‘

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ طبقات میں روایت کرتے ہیں کہ عبدالمطلب تمام قریش میں سب سے زیادہ سخی اور کریم اور سب سے زیادہ شر اور فتنے سے دور بھاگنے والے تھے اور قریش کے مسلَّم سردار تھے۔ عبدالمطلب کا جود وکرم اپنے باپ ہاشم سے بڑھا ہوا تھا، آپ کی مہمان نوازی انسانوں سے گزر کر چرند پرند تک پہنچ گئی تھی، اسی وجہ سے عرب کے لوگ آپ کو فیاض اور **مطعم طیر السماء** (آسمان کے پرندوں کو کھانا کھلانے والے) کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ شراب کو اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا۔ غارِ حرا میں سب سے پہلے خلوت وعزلت عبدالمطلب ہی نے کی۔

عبداللہ:...... یہ وہ نام ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ دو نام محبوب ہیں: ایک عبداللہ اور دوسرا عبدالرحمٰن۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح حضرت عبداللہ بھی ذبیح اللہ ہیں۔

حضرت عبدالمطلب کو جب اپنے فرزند عبداللہ کی شادی کی فکر دامن گیر ہوئی تو قبیلہ زہرہ جو کہ شرافت نسبی میں ممتاز تھا، اس میں وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی سے جن کا نام آمنہ تھا، ان کے گھر والوں کو نکاح کا پیغام دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: جب عبدالمطلب اپنے فرزند عبداللہ کو نکاح کے لیے لے چلے تو راستہ میں ایک یہودی عورت پر گزر رہوا، جس کا نام فاطمہ تھا، توریت وانجیل وغیرہ سے خوب

واقف تھی، حضرت عبد اللہ کے چہرے پر نورِ نبوت دیکھ کر اپنی طرف بلایا اور کہا: میں تجھ کو سو اونٹ نذر کروں گی، تو حضرت عبد اللہ نے جواب میں یہ اشعار کہے:

أما الحرام فالممات دونهٗ		والحل لاحل فأبينهٗ

''حرام کے ارتکاب سے موت آسان ہے اور ایسا فعل بالکل حلال نہیں جس کو معرضِ ظہور میں لاسکوں۔''

فكيف بالأمر الذى تبغينهٗ		يحمى الكريم عرضهٗ ودينهٗ

''جس ناجائز امر کی تو طلب گار ہے وہ مجھ سے کیسے ممکن ہے؟ کریم النفس آدمی تو اپنی آبرو، اپنے دین کی پوری حمایت اور حفاظت کرتا ہے۔''

حضرت عبد اللہ جب حضرت آمنہ سے نکاح کر کے واپس ہوئے تو واپسی میں پھر اسی عورت پر گزر ہوا تو اس عورت نے پوچھا: اے عبد اللہ! تم یہاں سے جانے کے بعد کہاں رہے؟ حضرت عبد اللہ نے جواب دیا: میں نے اس عرصہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی آمنہ سے نکاح کیا اور نکاح کے بعد تین روز وہاں قیام کیا، اس یہودی عورت نے سن کر یہ کہا: واللہ! میں کوئی بدکار عورت نہیں، تمہارے چہرے پہ نورِ نبوت کو دیکھ کر یہ چاہا کہ یہ نور میری طرف منتقل ہو جائے، لیکن اللہ نے جہاں چاہا وہاں اس نور کو ودیعت رکھا۔ (سیرۃ المصطفیٰ از مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)

حضور ﷺ کے نسبِ اطہر میں آپ ﷺ کے آباء واجداد اپنے زمانے والوں پر بے شمار صفاتِ عالیہ وحسنہ کے ساتھ ممتاز و برتر رہے کہ کوئی سخاوت میں نمایاں ہے تو کوئی شجاعت میں، کوئی حسن کا بادشاہ ہے تو کوئی سرتاپا جلوہ گاہ ہے، کسی کی دہلیز پر حکمت کا بسیرا ہے تو کسی کے سر اتحاد بین القبائل کا سہرا ہے، کسی کی نورانی پیشانی پر بادشاہ وملوک انگشت بدنداں ہیں تو کسی کے ٹکڑوں پہ پلتا سارا جہاں ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک خاندان میں حضرت عبد اللہ سے حضرت عدنان تک سب کے سب بے شمار خوبیوں سے مزین ہیں اور پھر ان سب خوبیوں، بھلائیوں اور عمدہ صفات کے حامل، جود وکرم کے برستے مینہ، حسن کی بہاروں اور کرم نوازیوں سے لبریز اگر کسی ہستی کو دیکھنا ہو تو وہ ہستی، وہ ذات مصطفیٰ مجتبیٰ، ناصر ومنصور، شاہد ومشہود، حق مبین، نبی اکرم، حضرت محمد ﷺ کی ذات بابرکات ہے ﷺ

آدم کے لیے فخر یہ عالی نسبی ہے
مکی مدنی ہاشمی و مطلبی ہے

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

ذکرِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ اور ماہِ ربیع الاول کے تقاضے!

جناب ظفر اقبال

رسول اللہ ﷺ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کسی ثبوت کی محتاج نہیں، چشمِ فلک نے رسول اللہ ﷺ کے خدام و جاں نثاران جیسے صاحبِ کمال افراد نہیں دیکھے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (متوفی: ۴۰ھ) سے کسی نے پوچھا کہ: ''آپ (صحابہ کرامؓ) کو رسول اللہ ﷺ سے کس قدر محبت تھی؟ ۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے اموال، اولاد، باپ، دادا اور ماؤں سے بھی زیادہ محبوب تھے۔ کسی پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے جو محبت ہوتی ہے، ہمیں رسول اللہ ﷺ اس سے بھی بڑھ کر محبوب تھے۔''

اسی لیے سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے سے قبل حضراتِ صحابہؓ کی جاں نثاری کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''مارأيت من الناس أحدا يحب أحدا كحب أصحاب محمد محمدا۔''

''میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا کہ دوسروں سے ایسی محبت کرتا ہو جیسی محبت اصحابِ محمدؐ محمد ﷺ سے کرتے ہیں۔'' (معرفۃ الصحابہؓ لابی نعیم، ج:۳،ص:۱۱۸۴)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے راہِ حق میں کیا، انہوں نے اس محبت میں وہ سب کچھ قربان کردیا، جو انسان کرسکتا ہے اور پھر اس راہ سے انہوں نے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پاسکتی ہے۔''

(ابوالکلام آزادؒ، ترجمان القرآن، کراچی: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س-ن جلد:۲،ص:۱۱۹)

صحابیانؓ که برہنه به پیشِ تیغ شدند
خراب و مست بدند از محمدؐ مختار

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم برہنہ تلوار کے آگے خود کو پیش کر دیتے تھے، کیونکہ وہ محمد مختار ﷺ کی محبت میں بے خود و مدہوش تھے۔''

رسول اللہ ﷺ سے تمام تر محبت کے باوصف ان حضرات کی مقدس زندگیوں سے کوئی ایک مثال ایسی پیش نہیں کی جا سکتی کہ عشق کی دارفتگی اور سرمستی میں وہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے ہوں اور اظہارِ محبت کے نت نئے انداز وضع کرنے لگے ہوں۔ اطاعت کس طرح محبت کے بے محابا اظہار کی راہ میں کھڑی ہو کر حقیقی عشق کا ثبوت پیش کرتی ہے، اس کی صداقت صحابیِ رسولؐ سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک بیان سے ملاحظہ فرمائیے، وہ فرماتے ہیں:

''لم یکن شخص أحب إلیهم من رسول الله ﷺ وکانوا إذا رأوه لم یقوموا لما یعلمون من کراهیته لذلک۔'' (جامع الترمذی، کراچی: قدیمی کتب خانہ، جلد:۲،ص:۱۰۴)

''ہمیں رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہ تھا، مگر ہم آپ ﷺ کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ ہم جانتے تھے کہ یہ بات آپ ﷺ کو پسند نہیں ہے۔''

دین کے لیے لازم ہے کہ شریعت' احوال وکیفیات اور مابعد الطبیعیات پر غالب اور حَکَم رہے۔ مقصودِ شریعت رضائے حق کے اسباب میں خلل اندازی سے محفوظیت ہے۔ اور محبوبِ خدا ﷺ کی طبعی محبت کے علاوہ تشریعی اُمور میں مکمل اتباع واطاعت کا نام ہی حقیقی محبت ہوسکتا ہے، اسی لیے حضراتِ فقہاءؒ جو رمز آشنائے شریعت ہیں، فرماتے ہیں کہ: التزام خواہ اعتقادی ہو یا عملی، دونوں کے لیے اذنِ شریعت ضروری ہے اور یہی مسلک محقق صوفیہ کا ہے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مپندار سعدی که راهِ صفا
تواں رفت جز درپے مصطفیٰ
خلافِ پیمبر کسے ره گزید
که ہرگز به منزل نه خواہد رسید

''سعدیؒ! اس گمان میں مت رہنا کہ راہِ اخلاص حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اتباع کے بغیر طے ہوسکتی ہے، جو شخص رسول اللہ ﷺ کے خلاف راستہ اختیار کرے گا، کبھی منزلِ مراد تک نہ پہنچ سکے گا۔''

آپ ﷺ کی ولادت سے لے کر وصال تک ایک ایک واقعے کا ذکر اور رُخِ مصطفیٰ ﷺ کی ایک ایک جھلک کا تذکرہ سرمۂ چشمِ بصیرت، رحمتِ الٰہی اور برکاتِ ربانی کے نزول کا موجب ہے۔

ایک مسلمان کے لیے تو رسول اللہ ﷺ سے وابستہ ومتعلق اشیاء کا تذکرہ بھی عین عبادت ہے، خواہ ان کی ظاہری حیثیت کیسی ہی فروتر کیوں نہ ہو۔ جب رسول اللہ ﷺ سے نسبت رکھنے والی چیزوں کا تذکرہ عین عبادت ہوا تو آپ ﷺ کا ذکرِ ولادت کیوں باعثِ تسکینِ ایمان نہ ہوگا؟ دنیا کا کوئی مسلمان، خواہ اس کا تعلق کسی مکتبِ فکر سے ہو، آپ ﷺ کے ذکرِ ولادت اور اس ماہِ مقدس سے- جب آپ ﷺ عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں رونق افروز ہوئے- تنفُّر اختیار نہیں کرسکتا۔ امام اہلِ سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۳۸۳ھ) النجم، لکھنو، دورِ جدید، ربیع الاول ۱۳۵۰ھ میں لکھتے ہیں:

''بعض جُہلاء نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی گروہ حضور انور ﷺ کے ذکرِ مولد شریف کو بدعت کہتا ہے۔ میرے خیال میں وہ 'مسلمان' مسلمان ہی نہیں جو حضورِ پاک ﷺ کے تذکرے کو منع کرے یا برا کہے۔ مولد شریف کا بیان طبعاً اور شرعاً ہر طرح سے عبادت ہے، بلکہ ہم خستہ جانوں کے لیے یہی تذکرہ باعثِ بالیدگیِ حیات اور غذائے روح ہے۔ جو شخص آپ ﷺ کے ذکر شریف کو منع کرے، یا بدعت قرار دے ہمیں اس کے خارج از اسلام ہونے میں ذرہ بھر کلام نہیں۔''

(محمد عبدالحی فاروقی، علامہ عبدالشکور لکھنویؒ: حیات وخدمات، لاہور: ادارہ تحقیقاتِ اہلِ سنت، ۲۰۰۹ء، ص: ۲۰۰-۲۰۱)

رسول اللہ ﷺ کی ولادت وطفولیت کے واقعات کا بیان ایمان کی پختگی اور رُسوخ کا ذریعہ اور شروع سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ صالحین سے ثابت ہے۔ باعثِ نزاع تو مروجہ محافلِ میلاد ہیں، جسے پہلے ''میلادُ النبیؐ'' اور اب ''عیدِ میلاد'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یومِ ولادت ہر سال آتا تھا، لیکن حضراتِ صحابہؓ سے لے کر چھٹی صدی تک التزاماً محافلِ میلاد کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جاسکتا، حالانکہ اُس کے اسباب ومحرکات سب موجود تھے۔ ویسے لوگوں میں آنحضرت ﷺ کی ولادت وطفولیت اور معجزات وخصائص کا تذکرہ رہے تو یہ کوئی امرِ نامشروع نہیں، بلکہ مندوب، جائز اور مستحسن ہے۔ جب تک اس سلسلے میں افراط وتفریط نہیں تھی، اہلِ سنت کے یہاں ولادتِ نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا تذکرہ مباح ومستحب حیثیت سے تاریخی حقیقت کے طور پر کیا جاتا تھا۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی قدس سرہٗ [متوفی: ۱۳۱۳ھ] سے کسی نے کہا: حضرت! مولود سننے کو جی چاہتا ہے، فرمایا: لو ہم اَبھی سناتے ہیں، یہ کہہ کر کھڑے ہوئے اور نہایت مزے سے یہ شعر پڑھا:

تر ہوئی باراں سے سوکھی زمیں
یعنی آئے رحمۃ للعالمین ﷺ

(اشرف علی تھانویؒ، مواعظِ میلادالنبیؐ، لاہور، المکتبۃ الاشرفیہ، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۲۶-۲۲۹)

مولانا نے بتلا دیا کہ ہم ذکرِ ولادت کے منکر نہیں، بلکہ تخصیصات وقیودات کے منکر ہیں۔
رفتہ رفتہ اس میں قیود لگتی گئیں، اہتمام وانصرام بڑھتا گیا اور مسئلہ اباحت واستحباب سے وجوب تک لے جایا گیا اور حق وباطل کے مابین نشانِ امتیاز بنا دیا گیا، ان محافل کا تارک‘ رسول اللہ ﷺ کا گستاخ اور دائرۂ سُنیت سے خارج قرار دیا جانے لگا۔ قاضی فضل احمد صاحب اپنی کتاب ’’انوارِ آفتابِ صداقت‘‘ جو مولانا احمد رضا خان بریلوی مرحوم سمیت چالیس بریلوی علماء کی مصدقہ ہے، میں فرماتے ہیں:

’’پہلے زمانے میں مولود شریف کا کرنا صرف مستحسن یا مستحب اور مسنون تھا، لیکن اب اس زمانے میں (علماء نے) اس کو ضروری تصور کر کے فرضِ کفایہ تحریر فرمایا ہے۔‘‘ (ص:۳۹۸)

مباح، سنت، واجب اور فرض یہ سب شرعی درجات ہیں، جن کا تعین شریعت ہی کر سکتی ہے، امرِ مستحب کو اصرار سے وجوب کے درجے تک لے جانا نہایت سنگین جسارت اور مداخلت فی الدین ہے۔ علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۷۳۵ھ) علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۷۴۳ھ) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۸۵۲ھ) علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۹۶۹ھ) علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۸۶ھ) اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۱۰۱۴ھ) کی تصریحات دیکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ سب حضرات قاطبۃً اس پر متفق رہے ہیں کہ شریعت کے کسی حکم کو اس کے درجے سے اوپر نہیں لایا جاسکتا، مندوبات اپنے مرتبے سے اوپر اُٹھا دینے سے مکروہات بن جاتے ہیں۔

دین جذبات کا نام نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ سے غایت درجے عشق ومحبت کے اظہار کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا دائرہ ضد اور معکوس تک وسیع کر دیا جائے۔ حقیقی محبّ‘ کامل متبع ہوتا ہے، وہ محبت کی روانی اور جوش وخروش میں فکر وہوش کا دامن نہیں چھوڑتا، بلکہ محبّ کے اظہار کے سب طریقے محبوب کے مزاج کی رعایت اور مطاع کے بیان فرمودہ آداب وہدایات کے تحت ہی بجالاتا ہے، اس میں اپنی طرف سے اضافے یا ازالے کو روا نہیں جانتا، اُسے معلوم ہے کہ نگاہِ محبوب میں اِضافہ ’’بدعت‘‘ ہے اور اِزالہ ’’الحاد‘‘ ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

’’والمتابعة کما تکون فی الفعل تکون فی الترک أیضاً، فمن واظب علٰی فعل لم یفعله الشارع فهو مبتدع۔‘‘ (ملاعلی قاریؒ، مرقات المفاتیح، ملتان: مکتبہ امدادیہ، س-ن، جلد:۱، ص:۴۱)

’’اور پیروی جس طرح کسی کام کے کرنے میں ہوتی ہے، اسی طرح کسی کام کے نہ کیے جانے میں بھی ہوتی ہے، سو جو شخص کسی کام کو اہتمام سے کرے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہ فرمایا ہو تو وہ بدعتی ہے۔‘‘

آنحضرت ﷺ کا ذکرِ ولادت ایک امر مستحب تھا۔ خود مولانا عبدالسمیع صاحب رام پوری کو اعتراف ہے کہ حضراتِ صحابہؓ وسلفِ صالحین میں آپ ﷺ کے تذکرۂ ولادت کے باوجود امرِ اجتماعی کی کوئی شکل موجود نہ تھی، وہ صاف لفظوں میں اقرار کرتے ہیں:

''حضرت ﷺ نے ماہِ ربیع الاول میں کوئی عمل مقرر نہیں فرمایا۔''

(انوارِ ساطعہ در بیانِ مولود وفاتحہ، مراد آباد، مطبع نعیمیہ، س-ن، ص:۱۷۰)

اسلام کی ابتدائی چھ صدیاں جو علم وعمل اور عشق ومحبت کے لحاظ سے مسلمانوں کے عروج کا زمانہ ہے، ولادت کی اجتماعی خوشی کے جلسوں اور حلقوں سے خالی رہیں، ساتویں صدی ہجری میں اسے ایک بادشاہ نے جشن کے طور پر پہلی مرتبہ منایا، عمر بن دحیہ کے سوا کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا، بلکہ علماء نے صراحت کی کہ کسی مباح یا مندوب کو اس کے درجے سے اوپر نہیں لایا جاسکتا، تو آج اسے فرضِ کفایہ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس وقت تو صورت حال یہ ہے کہ صرف یومِ ولادت پر اجتماعی خوشی کا اہتمام والتزام ہی نہیں کیا جاتا، بلکہ اُسے ایک مستقل تہوار کی صورت میں منایا جاتا ہے اور ''عید'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اب تک اہل سنت والجماعت کہلانے والوں میں یہ جرأت کسی کو نہیں ہوئی تھی۔ عید ایک اسلامی اصطلاح ہے، جس کا انطباق کسی بھی غیر منقول رسم پر اپنی مرضی سے نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تحریف فی الدین اور روافض کا شعار ہے۔ شیعہ حضرات کے ہاں ''عیدِ بابا شجاع، عیدِ نوروز، عیدِ غدیر، عیدِ مباہلہ، عیدِ میلاد امام العصر والزمان'' کے نام سے کئی عیدوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ علمائے اہل سنت نے ہمیشہ اُسے اِحداث فی الدین سمجھتے ہوئے اس کی تردید ومخالفت کی ہے۔ ماضی قریب میں لاہور کے ایک مشہور عالم، مولانا غلام دستگیر نامی (۱) (متوفی: ۱۳۸۱ھ) نے روافض کی ان خود ساختہ عیدوں کے رد میں ایک مستقل کتاب بہ عنوان ''اسلامی اور شیعی عیدیں'' (مطبوعہ: لاہور، کریمی سٹیم پریس، ۱۳۴۴ھ) تحریر فرماکر واضح فرمادیا کہ اسلام نے تمام تہواروں کی نفی فرماتے ہوئے مسلمانوں کو دو تہوار عطا کیے: عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ مسلمانوں نے ان دو تہواروں کے سوا کسی واقعے کو ''ہر سال عَود کرنے والی خوشی'' نہیں بنایا، یہ دونوں عیدیں خوشیوں کے ساتھ ساتھ عبادات بھی ہیں، جس کا تعین شریعت ہی کرسکتی ہے۔ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ کا یومِ ولادت ایک ایسا تاریخی واقعہ اور عظیم الشان دن ہے جو ایک ہی دفعہ وقوع پذیر ہوا، اس کی عظمت اور شان ہر سال آنے والے ربیع الاول کو نہیں دی جاسکتی، اس دن کی عظمت اور اختصاص ہی یہی ہے کہ وہ عدیم النظیر ہے، جس کی برکت سے اور صدقے میں مسلمانوں کو یہ دو عیدیں

---

(۱)......... مولانا غلام دستگیر نامی کے حالات وکمالات کو ایک سنی بریلوی عالم کی حیثیت سے مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے اپنی کتاب ''تذکرۂ اکابر اہل سنت'' مطبوعہ، لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۰ء، ص:۳۳۱-۳۱۴ میں درج فرمایا ہے۔

عطا ہوئی ہیں۔ ہاں! اس سہانی گھڑی اور فقید المثال وقوعے کا ذکر تاریخی پیرائے میں جب چاہے کیا جاسکتا ہے، جو باعثِ مسرت وابتہاج اور وجہِ تسکینِ ایمان ہے۔ لیکن صد افسوس ہے کہ اسی تجدد پسندی کا مظاہرہ آج بعض حلقوں سے ہورہا ہے اور اُسے شعارِ سُنیت باور کرایا جارہا ہے کہ ''عیدِ میلاد النبیؐ '' اسلام کی سب سے بڑی اور اَولین عید ہے۔

کوئی بدعت تنہا نہیں آتی، بلکہ بہت سی نئی بدعتوں کے ظہور کا سبب بنتی ہے اور بہ نصِ حدیث سنتوں کے اُٹھ جانے کا سبب بھی:

''ما أحدث قومٌ بدعةً إلا رفع مثلها من السنة۔''

(احمد بن حنبلؒ، مسند احمد، بیروت: مکتب اسلامی ۱۳۹۸ھ جلد: ۴، ص: ۱۰۵)

''جو قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے اس سے اسی طرح ایک سنت اُٹھالی جاتی ہے۔''

عصرِ حاضر میں محافلِ میلاد کی جو صورت وہیئت ہے، وہ کتاب وسنت تو درکنار خود مولانا احمد رضا خان بریلوی مرحوم (متوفی: ۱۳۴۱ھ) ہی کی تصریحات کے عین منافی ومخالف ہے۔ جن حرکات وسکنات کا التزام آج محافلِ مولود میں ہوتا ہے، مولانا احمد رضا خان نے سختی کے ساتھ اُن اعمال سے منع فرمایا تھا، مولانا کی ایک ہی کتاب سے ان ہدایات کی تلخیص معہ حوالہ ہدیۂ قارئین ہے:

۱- ایسی محافل ہر قسم کے ناجائز اُمور سے پاک ہوں، بالخصوص ان میں مزامیر، گانے، باجے بالکل نہ ہوں۔ (احمد رضا خان، احکام شریعت (کامل)، کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی (س-ن)، صفحات: ۶۰-۶۵)

۲- مجمعِ زنان نہ ہو کہ عورتیں بغیر محرم کے کسی غیر محرم کے گھر جاکر شامل ہوں، یہ بھی اس ذکر کے آداب کے خلاف اور ناجائز ہے۔ (ایضاً، صفحات: ۲۸۸-۲۹۰)

۳- ان محافلِ مبارکہ میں اَمارد یعنی بے ریش لڑکے نہ ہوں۔ (ایضاً، صفحہ: ۲۲۵)

۴- اُجرت پر میلاد کرانا جائز نہیں، آدابِ محفل کے خلاف ہے۔ (ایضاً، صفحات: ۱۴۴-۱۴۶)

۵- ذکرِ مبارک نہایت خلوص سے ہونا چاہیے، کوئی حال بناوٹ پر نہ ہو، نہ کسی کی نیند خراب ہو، نہ مریض کو ایذاء پہنچے اور نہ کسی کی نماز میں خلل واقع ہو۔ (ایضاً، صفحات: ۱۷۴، ۱۷۵)

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی مرحوم کی بیان فرمودہ تصریحات اور آداب وہدایات کے بالمقابل، عہدِ حاضر میں منعقد ہونے والی محافلِ مولود کا جائزہ لے لیا جائے تو واضح ہوجائے گا کہ اب ان محافل کا مقصد رسمی مظاہرے اور نمائشی کارروائیاں ہی رہ گیا ہے۔ سیرتِ طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اور ذکرِ رسول اللہ ﷺ کی حقیقی روح جو اِن محافل کے قیام کا اصلی مقصود تھا، الا ماشاء اللہ! اب عنقاء ہے۔ اس سلسلے میں چند نکات پر غور کرلینا ہی کافی ہوگا:

۱- عہدِ حاضر میں ان محافل کا اصلی مقصود، مختلف ادیان کی تقلید اور ان کے سامنے اس احساس

کمتری کا ازالہ ہے کہ ہم بھی اپنے نبی کا یومِ ولادت بہ صورتِ جشن منا سکتے ہیں۔ یہ صورتِ حال نحیف ونزار اعصاب کی تسکین کا ایک سبب ہے، اور ان ادیان وملل سے حد درجے مرعوبیت کا ثبوت ہے۔ بہ ظاہر یہ طرزِ عمل کیسا ہی خوش نما معلوم ہو اور محبت کے اظہار کا قوی ذریعہ نظر آئے، لیکن یہ رونقیں اور زینتیں اس فطری سادگی اور اخلاص سے میل نہیں کھاتیں جو اسلام کی عطا ہے۔ اسی لیے اُمت کے مجموعی مزاج نے اس طرزِ عمل کو کبھی قبول نہیں کیا۔

۲- ان محافل میں عموماً عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، عورتیں مردوں کے دوش بہ دوش بے محابا، بلاحجاب، زینت وآرائش کے ساتھ شریکِ محفل ہوتی ہیں، خصوصاً ذرائعِ ابلاغ کی آزادی اور ترقی نے جس طرح ہمتیں بڑھائی ہیں، نوجوان لڑکیاں برہنہ سر، بزعمِ خود بڑے جذبۂ تقدس کے ساتھ بڑے ترنم اور خوش گلولی کے ساتھ نعتیں سامعینِ کرام کی سماعتوں کی نذر کرتی ہیں۔

۳- میلاد کے نام پر کی جانے والی تقاریر کا موضوع، الا ماشاء اللہ! تطہیرِ عقائد، درستگیِ اعمال، رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ محبت کے جذبے کو اُبھارنے اور آنحضرت ﷺ کے طفیل اپنی زندگیوں میں موجود اندھیروں کو اُجالنے کی مسلسل اور پیہم جد وجہد کی تلقین نہیں ہوتا، بلکہ ان مجالس میں دیگر مسالک ومکاتب - جو اِن التزامی واجتماعی محافلِ میلاد پر اصرار سے اختلاف رکھتے ہیں- پر طعن وتشنیع اور سب وشتم کے مظاہر زیادہ دیکھنے میں آتے ہیں۔

۴- جوشِ مسرت اور فرطِ عقیدت میں آپے سے باہر ہوجانا' عشاق کا شیوہ نہیں، آج ان محافل کے نام پر بڑے بڑے جلوس نکالے جاتے ہیں، قائدینِ جلوس گلے میں ہار ڈالے ہوتے ہیں، نوجوان سرِعام اپنے علماء کی موجودگی میں مبتذل حرکات کا ارتکاب کرتے ہیں، بھنگڑا ڈالتے اور ناچتے ہیں۔

۵- مولانا احمد رضا خان نے تصریح فرمائی تھی کہ محافلِ میلاد میں بے ریش لڑکے شریک نہ ہوں، لیکن ہر شخص مشاہدہ کرسکتا ہے کہ ان محافل میں اَمارد شریک ہوتے ہیں، خصوصاً گزشتہ چند سالوں سے ایک منظّم کوشش کے تحت ہر سال گلیوں اور محلوں سے بے ریش لڑکوں پر مشتمل کئی جلوسوں کا جھنڈے اُٹھائے اور غلط سلط نعتیں پڑھتے ہوئے ہر پاک ناپاک مقام پر گھومنا اور جھومنا معمول بنا ہوا ہے۔

۶- مروجہ محافلِ میلاد کا سب سے بڑا ''کارنامہ'' یہ ہے کہ ۱۲/ربیع الاول کو جگہ جگہ بیت اللہ شریف اور روضۂ منورہ کی شبیہ بنائی جاتی ہے۔ بڑے بڑے چوکوں پر سانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں، عوام اُن پر نذرانیں پیش کرتے ہیں، منتیں مانتے ہیں، بوسہ لیتے ہیں، طواف کرتے ہیں اور شبیہِ روضۂ اطہر کے سامنے صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہیں، یہ سب کچھ علماء کی موجودگی ونگرانی میں ہوتا ہے۔ ہزاروں روپیہ اس پر خرچ کیا جاتا ہے، اس سے ہونے والی اسراف وتبذیر تو رہی ایک طرف، اگرچہ اس کا وبال بھی کچھ کم نہیں، لیکن اگر بہ نظرِ عمیق دیکھا جائے تو یہ عمل کئی سنگین اُمور کا سبب ہے۔

اول:...... یہ فعل روافض کی تقلید ہے۔ شیعہ حضرات سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی یاد میں تعزیہ، دلدل اور علَم نکالتے ہیں۔ اگر بیت اللہ اور روضۂ منورہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی شبیہ بنانا جائز ہے، اس کا سوانگ بنا کر بازاروں میں پھرانا ٹھیک ہے تو روافض کے تعزیے اور دلدل کا سوانگ رچانا کیوں غلط ہے؟! اور کیا آج ان شبیہوں کے نکالنے سے روافض سے مشابہت نہیں پائی جارہی؟! اور کیا یہ اُن کی ایجاد کردہ بدعت کی تقلید کرکے اس پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے کی کوشش نہیں ہے؟!

دوم:...... یہ روضۂ اطہر (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اور بیت اللہ کی شبیہ تعزیے کی طرح جعلی اور مصنوعی ہیں، جن شبیہوں پر ۱۲/ ربیع الاول کو مقدس جان کر نذرانیں چڑھائے جاتے ہیں، اگلے روز خود اپنے ہی ہاتھوں سے اُنہیں توڑ دیا جاتا ہے۔ کیا اس مصنوعی وجعلی شبیہ سے خیر وبرکت کا حصول جاہلیتِ جدیدہ نہیں؟ اور خیر وبرکت کا صدور مان لینے کے بعد اُنہیں توڑ دینا توہین نہیں؟ یہ اُن سنگین بدعنوانیوں کی ایک مختصر سی فہرست ہے جن کا ارتکاب آج کل ''میلاد النبیؐ'' کے مقدس نام پر ''سُنیت'' کی علامت جان کر کھلے بندوں کیا جاتا ہے:

چہ دِلاور اَست دُزدے کہ بکف چراغ دارد

''کیا دلیر چور ہے کہ ہاتھ میں چراغ لیے ہوئے ہے۔''

کیا یہی وہ جذبۂ ذکرِ ولادت ہے جو اسلام کے مزاج اور روح کے ساتھ ہم نوا ہے؟! رسول اللہ ﷺ کے نامِ نامی کے زیرِ سایہ منعقد ہونے والی محافل اور آپ ﷺ کے ذکرِ جمیل سے مشامِ جان وایمان کو معطر ومنور کرنے والی مجالس کے آداب اور رنگ ڈھنگ یہی ہوتے ہیں؟

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

جناب کوثر نیازی مرحوم نے جو اِن التزامی محافلِ میلاد پر بریلوی مسلک کے ہم سنگ ہیں، خود انہوں نے آدابِ محفل سے بے پروائی کو ناروا، ناجائز، نامعقول اور غیر اسلامی حرکات قرار دیتے ہوئے اس کی نہایت درست وجہ تحریر فرمائی ہے:

''پوری سنجیدگی اور سچائی کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہم صدیوں سے بزرگوں کے عرس اور میلے کچھ اس انداز سے منانے کے عادی ہیں اور غیر شعوری طور پر ''عید میلاد النبیؐ'' کو بھی ہم نے اسی قسم کے میلوں میں سے ایک میلہ سمجھ لیا ہے۔ یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ ''عیدِ میلاد'' کا جلوس حال ہی کی پیداوار ہے اور بانیِ جلوس کے بہ قول یہ ہندوؤں کی رام لیلا کے جواب میں ایجاد کیا گیا تھا، اس لیے جوش وخروش، شان وشوکت، اور دبدبے وطنطنے کے لیے اس میں کچھ باتیں شامل ہوگئیں جو اسلام کے مزاج کے موافق نہ تھیں، لیکن جنہوں نے

اب روایت کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہ وجہ بھی پوری سنجیدگی کے ساتھ بیان کی جاسکتی ہے کہ جذبات کے اخراج کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ ملنا چاہیے۔ اتنے بڑے ہجوم پر قابو پانا اور اُسے نظم وضبط کا پابند بنانا ممکن نہیں ہوتا۔ تفریح کے بھوکے اور ہاؤ ہو کے ذریعے جذبات کے اخراج کے متلاشی لوگ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہیں اور اس قسم کی حرکتیں کر جاتے ہیں، لیکن ان تمام وجوہ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ سب مٹ کر ایک نقطے پر مرکوز ہو جاتی ہیں کہ صبح وشام اسلام کے غلغلۂ بلند کے باوجود ہم اپنے آپ کو اسلام کے مزاج کے مطابق منظّم نہیں کر سکے۔ ہم کلمۂ طیبہ پڑھنے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت پر قربان ہو جانے کے لیے ہر دم تیار رہنے اور پورے فخر کے ساتھ سینہ تان کر اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کے باوجود ان ذمے داریوں اور فرائض کو نہیں سمجھ سکے، جو یہ دعوے اور یہ جذبات ہم پر عائد کرتے ہیں۔'' (کوثر نیازی، ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم، کراچی، جنگ پبلشرز، ۱۹۸۹ء، ص:۱۲۹)

بہرحال سارے اَدوار اور تمام اشخاص ایک جیسے نہیں ہوتے۔ آج بریلوی حلقے کے سنجیدہ صاحبانِ علم اور اہلِ قلم بھی اس طرزِ عمل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ صورتِ حال کی اس سنگینی اور عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نعوذ باللہ! گستاخانہ مظاہر کا ذمے دار کون ہے؟ کیا یہ تمام خرافات اور شوروشر علماء کی نگرانی میں دیوبندیوں اور اہلِ حدیث حضرات کے بالمقابل ''شعارِ سُنیت'' بنا کر پیش نہیں کیا جاتا رہا؟ اور اُنہیں جو اس خود تراشیدہ اور نو ایجاد ''شعارِ سُنیت'' سے اختلاف رکھتے ہوں، دشمنانِ رسول باور نہیں کرایا جاتا رہا؟ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی مسلسل روایت، موجودہ صورتِ حال سے قبل ذکرِ ولادتِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالے سے ہمیشہ متحد رہی ہے، ان میں کبھی انتشار وافتراق پیدا نہیں ہوا۔ ولادت کے ذکر کا اہتمام کرنے والے اُسے واجب نہ سمجھتے تھے اور نہ کرنے والے تقییدِ مطلق کے قائل نہ تھے۔ جب اس میں قیود لگتی گئیں اور اہتمام بڑھتا گیا اور اُسے تیسری عید کے طور پر متعارف کیا جانے لگا، تب علمائے اہلِ سنت نے محض صیانتِ شریعت کے لیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بموجب حکمِ شرعی جاری کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''إذا أحدث في أمتي البدع وشتم أصحابيؓ فليظهر العالم علمهٗ ، فمن لم يفعل فعليه لعنة اللّٰه والملٰئكة والناس أجمعين۔''

(ابواسحاق الشاطبی، الاعتصام، بیروت: دارالکتب العلمیۃ س-ن، ج:۱، ص:۵۸)

''جب میری اُمت میں بدعات شائع ہو جائیں اور میرے صحابہؓ کو برا بھلا کہا جانے لگے، عالم پر لازم ہے کہ (ان محدثات وخرافات کی تردید میں) اپنا علم ظاہر کرے، جو ایسا نہ کرے، اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت۔''

حضرات علمائے اہلِ سنت نے ہمیشہ بدعات کی ظلمتوں کے بالمقابل سنت کے چراغ جلائے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرے کے جواب میں تولّی کی اذان دی ہے، تحفظِ سُنت اور ردِ بدعات کی ان ہی متعدد کاوشوں اور مستعد محنتوں نے اُمتِ مسلمہ کے مجموعی مزاج کو جادۂ مستقیم سے کبھی بھٹکنے نہیں دیا۔ گستاخِ رسول کا ٹائٹل اور مولود النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے انکار کا الزام تو یاروں کی طرف سے ان بدعات وخرافات کی تردید کا جواب تھا، جو اَب بالکل ہی سرد پڑ چکا ہے، شکوک وشبہات کے بادل اب پوری طرح چھٹ چکے ہیں، لیکن الحمد للہ! حضرات علمائے اہلِ سنت نے ان الزامات واتہامات کی کبھی پروانہ کی اور شرک وبدعات کے مقابلے میں حق کی حجت کو تمام کیا۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۷۲۸ھ) اور علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۷۹۰ھ) سے لے کر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۱۰۳۵ھ)، شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۱۱۷۶ھ)، شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۱۳۲۱ھ)، مولانا عبد الغنی شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۱۴۱۷ھ) مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہم نے بدعت کے ظلمت کدے میں ہمیشہ سنت کے چراغ روشن کیے اور کسی بھی الزام واتہام کی پروانہ کی اور جہاں تک مولود شریف اور صلوٰۃ وسلام کا تعلق ہے، وہ ان حلقوں میں حدودِ شریعت کے مطابق برابر جاری رہا، اس لیے کہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ رقیبوں کے خوف سے محبوب کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔

حکیم الامت، مجدِدُ الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

’’میرا اکثر مذاق یہ ہے کہ ربیع الاول کے مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ بیان کرنے کو جی چاہتا ہے، کیونکہ یہ مہینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت وتشریف آوری کا ہے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تقاضے کے ساتھ دل میں پیدا ہوتی ہے اور ایک خاص تحریک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی ہوتی ہے۔ اگر اس کے ساتھ منکرات منضم نہ ہوتے، تو اس ماہ یہ حالت اور اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر علامتِ محبت ہوتی، مگر افسوس ہے کہ منکرات کی وجہ سے اہلِ فتویٰ کو اس ذکر کی ہیئتِ مخصوصہ سے روکنے کی ضرورت ہوئی، ورنہ یہ مسئلہ فی نفسہا اختلافی ہونے کے لائق نہ تھا، مگر اہلِ فتویٰ کو روکنے کی ضرورت ہوئی کہ یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ دفعِ مضرت جلبِ نفع سے مقدم ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حاصل ہے، اس لیے اس کی تبلیغ وجوب کے درجے میں نہیں ہے، صرف مستحب اور اَحبُّ المستحبات ہے اور منکرات سے بچنا واجب ہے، تو اس حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اسی وقت مستحب ہوسکتا ہے، جب کہ منکرات سے خالی ہو۔‘‘

(اشرف علی تھانویؒ، مواعظ میلاد النبی، لاہور: المکتبۃ الاشرفیہ، ۱۹۹۲ء صفحات: ۱۸۴-۱۸۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں عظمت ومحبت کے پھول بچھانا اور عقیدت کا نذرانہ پیش کرنا

ادبیاتِ تاریخِ اسلامی کا روشن اور نمایاں عنوان رہا ہے۔ مسلمان مصنفین وشعرا نے جذبۂ محبت کی سرشاری وبے تابی، تاثیرِ عشق اور محبوبِ دوجہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دوری کو مہجوری کے عالم میں زورِ تعبیر اور حسنِ تصویر کے ساتھ بیان کرنے میں قلب وقلم اور نظر ووجدان کی مکمل اور اعلیٰ صلاحیتوں کا ثبوت دیا ہے، لیکن اب مغرب کے نئے اہداف میں ''کلچرل اسلام'' کے تصور نے ان پاکیزہ ومقدس نعتیہ محافل کو بھی اپنی لپیٹ میں لے کر اسلام کو ثقافتی مذہب باور کرانے کی باضابطہ کوشش شروع کر رکھی ہے۔ اربوں روپے کی سرمایہ کاری کے ذریعے اس منصوبے کے مسلم دنیا میں انجذاب کی راہیں استوار کی جارہی ہیں، تاکہ اسلامی دینی تعلیمات کا وہ حصہ جو معاشرت، ریاست اور حکومت سے متعلق ہے، جسے مغرب سخت ناپسند کرتے ہوئے ''سیاسی اسلام'' کہتا ہے، اُسے تبدیل کرکے اس کا نیا چہرہ متعارف کروایا جائے۔ تبدیلی کی اس کوشش کا نیا نام ''اسلام کا ثقافتی چہرہ'' ہے۔ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسلام کی اس آفاقیت کو مغربی اہداف وعزائم کے مطابق مقامی ساز ورنگ کے بدلنے کی اس سازش میں چالاکی یا نادانی سے مسلم برادران ہی استعمال ہورہے ہیں۔ ان مقاصد کے حصول کے پہلے مرحلے میں گلوکاروں کا ایک گروپ ترتیب دیا گیا ہے جو ناکام ہوگیا، لیکن امریکی محکمۂ اطلاعات اسلام آباد کا ترجمان [خبر ونظر]، ''کلچرل اسلام'' کی کامیابی کا دعویٰ کرتا ہے، اس کا کہنا ہے:

''گلوکاری میں ریپ (Rap) کا انداز مکمل طور پر امریکی انداز ہے اور ہر عمر کے لوگوں میں مقبول ہے۔ یہ تین نوجوان واشنگٹن ڈی سی کے مضافات سے تعلق رکھتے ہیں اور نوجوان مسلمانوں کو اپنے فن کے ذریعے ان کے عقیدے پر عمل کرنے کی طرف راغب کرتے ہیں ''NativeDeem'' نامی اس گروپ کی آواز اور موسیقی امریکی نوجوانوں میں بہت پسند کی جاتی ہے، لیکن ان نغمات میں منشیات اور تشدد کے بدنام موضوعات کے بجائے نیکی کا پیغام ہوتا ہے۔ یہ گروپ اسلامی کانفرنسوں، عطیات جمع کرنے کی تقریبات، شادی بیاہ اور چھٹی کی تقریبات میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ کہیں بھی اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں، جہاں مذہبی تفریح کی ضرورت ہو۔ وہ نائٹ کلبوں، شراب خانوں، ڈسکو اور ایسی جگہوں پر جانے سے گریز کرتے ہیں جہاں اسلام میں ممنوعات جیسے: شراب نوشی، رقص وسرود اور موسیقی کی بہت سی دوسری اقسام موجود ہوں۔ ان کے اکثر نغموں کے موضوعات امریکا میں پلنے بڑھنے والے مسلمان، صبح کی نماز اور عبادت کو یاد رکھنے کی تلقین اور مادی آلائشوں سے پرہیز کرتے ہوئے اپنے مذہب کی پیروی کے متعلق ہوتے ہیں۔ تینوں گلوکاروں نے یہ گروپ ۲۰۰۰ء میں تشکیل دیا تھا، اس سے پیش تر وہ اکٹھے یا الگ الگ مسلم یوتھ آف نارتھ امریکا کی تقریبات میں اور دیگر مذہبی

مواقع پر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ گزشتہ چند ماہ کے دوران وہ شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گئے ہیں۔ اس شہرت کے لیے وہ ریڈیو کے ایک پروگرام ''آن دی سین ودینٹو وڈین'' کے مرہونِ منت ہیں جو مقامی ریڈیو اسٹیشن سے ہر جمعے کی شام ہوا کے دوش پر بکھرتا ہے اور اسلامک براڈ کاسٹنگ نیٹ ورک کی ویب سائٹ کے ذریعے دنیا بھر میں بہ ذریعہ ویب سائٹ نشر کیا جاتا ہے۔ اس گروپ کے ایک اہم رکن ''سلام'' کہتے ہیں کہ نوجوان پرستاروں کے شوق اور حوصلہ افزائی سے ہمیں بڑی ڈھارس ہوتی ہے، لوگ ہمارے پاس آتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کس طرح ان نغموں سے اُنہیں نویں جماعت میں کامیابی ملی یا کس طرح ان نغمات کو سن کر اپنے عقیدے اور وجودِ باری تعالیٰ کی یاد آئی اور ان کی زندگی یک سر بدل گئی۔ ''NativeDeem'' سے امریکا میں مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ ان کی اپنی موسیقی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اب ہم اپنی تقریبات میں بھی تفریح کر سکتے ہیں اور یہ عربی نوعیت کی نہیں ہے۔ ہماری موسیقی امریکی ہے اور ہر ایک اس میں اپنائیت محسوس کرتا ہے۔''

(مصنف فلس مکین توش واشنگٹن میں مقیم ایک فری لانس رائیٹر ہیں، ماہنامہ ''خبر ونظر'' اسلام آباد، جولائی ۲۰۰۵ء)

اس ثقافتی اسلام کی چند شکلیں پاکستان میں بعض مذہبی تنظیموں کی وہ بدعات ہیں جن میں دعاؤں، مناجات اور صلوٰۃ وسلام کو قلب کی کیفیات، خونِ جگر کی آمیزش اور اشکِ ندامت سے خالی وعاری کر کے گا بجا کر ادا کیا جاتا ہے۔ گویا پہلے دعائیں اور مناجات ہدایتِ قلبی وعملی کا سبب بنتے تھے اور اب راگ رنگ عقیدے اور دل بدل رہے ہیں۔

مغرب کے اس سارے منصوبے اور عزائم کی حتمی شکل پاکستان کے ذرائعِ ابلاغ کے ذریعے کی جارہی ہے۔ ایک مخصوص طبقے کے نمائندہ مذہبی چینل کے ذریعے ایسی نعتیہ محافل کو وسیع پیمانے پر فروغ دیا جارہا ہے، جن میں اگرچہ آلاتِ موسیقی استعمال نہیں ہوتے، لیکن آوازوں کے تانے بانے اور زیر و بم کے ذریعے راگ رنگ، سرتال اور موسیقی کا سا آہنگ پیدا کیا جاتا ہے۔ جدید مغربی ثقافتی یلغار کی اس منصوبہ بندی کا مقصد موسیقی کی شدت وحِدّت کو نعتوں میں سمو کر، نعتیہ اشعار کو ہندوستانی گانوں کی دُھن اور قافیہ پیمائی میں ضم کر کے نعتوں سے نورانیت وروحانیت کو رخصت کر کے اُسے گانوں کا متبادل بنانا ہے۔ الحاد کی اس لطیف ترین شکل کے اپنانے اور اختیار کرنے کا بنیادی مقصد اس مفروضے پر قائم ہے کہ چونکہ لوگوں کا موسیقی اور گانوں سے دور ہونا تو اب ممکن نہیں رہا، لہٰذا نعتوں اور مقدس کلام کو موسیقی کے طرز پر پیش کر کے ان کے نفس کے حظ اور تسکین کا سامان دینی جواز کے ساتھ مہیا کر دیا جائے۔ بالفاظِ دیگر اُمت سے موسیقی اور آلاتِ لہو ولعب کو ختم کرنے کی کوشش کی بجائے موسیقیت کی اسلام کاری کر کے نعوذ باللہ! گانوں اور نغموں کو ''اسلامی'' بنا دیا جائے، اس طرز کی نعتیہ محافل کی ترویج وتشہیر اور فروغ

ومقبولیت نے دو ہولناک اثرات ونتائج پیدا کیے:

ا:........جدید نعتیہ محافل کے قیام نے (جو فی الحقیقت پورے مکتبِ فکر کا نمائندہ ہے) ان حلقوں سے سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جلسوں کی روایت کو الا ما شاء اللہ! معدوم کر دیا ہے، ان حلقوں میں وعظ وتقریر کی جگہ نعتوں کو فوقیت واہمیت دی جاتی ہے اور علماء کی جگہ ثنا خوانوں کو پذیرائی ملتی ہے۔ اس افسوس ناک صورت حال نے اس حلقے میں علماء کو صفِ دوم اور مغنیوں اور گلوکاروں کو صفِ اول میں کھڑا کر کے بچی کھچی علمی روایت کو بھی فنا کرنے کا عملی سامان مہیا کر دیا ہے۔ بریلوی حضرات کے مرکزی دار الافتاء منظر الاسلام بریلی انڈیا سے نعت کی اس جدید قسم کی حرمت وممانعت پر مولانا اختر رضا خان صاحب (نبیرہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی) سمیت مولانا ضیاء المصطفیٰ قادری، مولانا مظفر حسین قادری اور مولانا محمد کمال کا فتویٰ شائع ہو چکا ہے کہ ایسی نعتیں جن میں آلاتِ لہو ولعب کی صدائیں پیدا ہوتی ہوں اشد نا جائز اور طریقۂ فُساق ہے۔ (ماہنامہ ''ساحل''، کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء، صفحات: ۴۴-۴۶)

پاکستان میں مولانا الیاس قادری اس کے رَد میں پورا ایک رسالہ سپردِ قلم فرما چکے ہیں، لیکن یہ نعتیہ مجالس چونکہ علماء کے بجائے کاروباری طبقات کے ہاتھوں میں ہیں، اس لیے وہ بریلی کے ''فتوے'' اور فیضانِ مدینہ کی ''اسلامی'' دعوت کو وقت دینے کو تیار نہیں، بعض نعت خواں (جن کی شہرت وثروت اور تونگری کا ذریعہ ہی مولانا احمد رضا خان صاحب کی نعتیں ہیں) بریلی کے فتوے کے برعکس اپنی پوری ٹیم کے ساتھ نعتوں کو موسیقی کی دھنوں پر پیش کرنے کا ''کارِ خیر'' بڑے دھوم دھڑ کے سے سرانجام دے رہے ہیں، جس جمالیات کے ذریعے نعت خواں علماء پر فائق وبرتر قرار پائے۔ علماء کی اس بے توقیری اور فتوے کی بے وقعتی کا یہ ارتقائی سفر ایک لمحۂ فکر یہ ہے کہ علماء عزت سے محروم قرار پائیں اور نعت خواں منصبِ قیادت سنبھال لیں۔ اس داخلی انقلاب اور تبدیلی کے بہت سے اسباب میں ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بریلوی حلقوں میں جدید نعت خوانی کو فروغ علماء کی اس خطابت سے ہوا جو دیگر مکاتبِ فکر کے اکابر اور بزرگوں پر دشنام والزام سے پُر تھیں، لہٰذا محافلِ نعت کو فروغ ہوا کہ بس منعقد ہونے والی محفل ذکرِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے منور ومعطر رہے اور کسی پر طنز وتعریض نہ ہو، یہ اگرچہ اس کا مثبت پہلو ہے، مگر رفتہ رفتہ یہ نعتیہ محافل موسیقی اور دھنوں سے منقلب ہو گئیں اور علماء کے فتووں کی تاثیر، بے مغز خطابات، الزام تراشی اور سب ودشنام کی بدولت ختم ہو گئی، بلکہ کئی حلیم الطبع اور لطیف المزاج حضرات نے تو اس طرزِ خطابت سے مایوس ہو کر اس مکتبِ فکر سے تعلق ہی منقطع کر لیا۔ مدیرِ ''فاران'' ماہر القادری مرحوم نے بھی اپنی بریلویت سے برگشتگی کا سبب یہی بتلایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ایک سال رجبی میں بریلوی عقائد کے چوٹی کے علماء کو بلایا گیا، میں بھی اپنے گاؤں کے چند آدمیوں کے ساتھ گنور پہنچا، دو روز رجبی شریف کی کئی نشستیں ہوئیں، مولانا عبد

القادر بدایونی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا نثار احمد کانپوری، مولانا فاخر شاہ الٰہ آبادی، مولانا عبدالمجید (آنولہ) اور دوسرے علماء کی وعظ وتقریریں سنیں۔ ہر وعظ وتقریر میں دیوبندیوں اور وہابیوں پر طنز وتعریض اور لعنت وملامت کی جاتی، مولانا فاخر شاہ نے اپنی تقریر میں فرمایا: ''وہابی اور دیوبندی کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ اولاد نہیں دے سکتے، ہم ان سے کہتے ہیں کہ تم اپنی عورتوں کو ہمارے یہاں بھیجو، ان کو اولاد مل جائے گی۔'' (ماہنامہ''فاران'' کراچی، جولائی ۱۹۷۶ء)

اب ان ہی ماہر القادری صاحب سے حضرات علمائے دیوبند کی تقریروں کے احوال بھی سن لیجیے، باوجود اس کے کہ ماہر مرحوم نے خود کو کبھی دیوبندیت سے منسوب نہیں فرمایا، وہ لکھتے ہیں:

''جب راقم الحروف کا حیدرآباد دَکن جانا ہوا اور علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا قاری محمد طیب اور دوسرے دیوبندی علماء کی تقریریں سنیں، تو ان میں نہ تو بریلوی علماء پر طنز کی جاتی اور نہ ان کے عقائد کا شدومد کے ساتھ رد کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات، اولیاء اللہ کے اقوال واحوال بیان کیے جاتے۔ علمِ غیب، استمداد لغیر اللہ وغیرہ مسائل کا کبھی کبھار ذکر آ بھی جاتا تو نہایت سادہ انداز میں اپنی بات فرما دیتے اور ان کی زبان سے یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ جن کے ہمارے جیسے عقائد نہیں، وہ کافر ہیں۔ بریلی کا تو نام ہی ان کی تقریروں میں نہیں آتا تھا۔'' (ماہنامہ''فاران'' کراچی، جولائی، ۱۹۷۶ء)

اب ظاہر ہے کہ ہر انسان میں ماہر القادری جیسی جرأت وہمت تو نہیں ہوسکتی کہ احقاقِ حق کے لیے مسلکِ آباء سے برگشتگی اختیار کرلے، آخر سماجی دباؤ اور تاریخی جبر بھی اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے، لہٰذا نوجوانوں نے اپنے علماء کے اس مشغلۂ تکفیر اور سب وشتم کی بوچھاڑ سے تنگ آکر اپنے حلقوں میں نعتیہ محافل کی طرح ڈالی، جو بہرحال جمالیاتی حس کو تحریک دیتی ہے اور اس کی تسکین کی فراہمی کا سامان مہیا کرتی ہے۔ یہ الگ بات ہے ان کی سادہ لوحی نے اُنہیں رفتہ رفتہ مغرب کی ثقافتی یلغار کا شکار بنا کر مغربی اہداف کی تکمیل کے لیے آلۂ کار بنا دیا، ان نعتیہ محافل میں جس طرح ثناخوانوں پر اور بعض اوقات واعظین پر یوں نوٹ نچھاور کیے جاتے ہیں، جیسے عیاش اور اوباش تماش بین طوائفوں کے مجروں میں کیا کرتے ہیں۔ نوٹ دست بہ دست ایک سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے ہاتھ میں پہنچتے ہیں، یہاں تک کہ پورا ایک مجمع حلقہ بنا کر نوٹ نچھاور کرنے پہنچ جاتا ہے اور محافلِ نعت کے لیے نعت خوانوں کے لیے جو بڑی بھاری رقمیں مختص ہوتی ہیں، کم آمدنی والی محافل کو آئندہ برس کے لیے نشان زدہ ٹھہرایا جاتا ہے کہ پھر وہاں قدم نہ رکھیں گے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے وعظ کہنے اور نعت پڑھنے کے عوض ''مالی منفعت'' پر یوں فتویٰ جاری فرمایا ہے:

’’اگر وعظ کہنے اور حمد ونعت پڑھنے سے مقصود یہی ہے کہ لوگوں سے کچھ مال حاصل کریں تو بے شک یہ اس آیتِ کریمہ ’’أولٰئک الذین اشتروا الحیوٰۃ الدنیا بالآخرۃ ‘‘ کے تحت داخل ہے اور وہ آمدنی اُن کے حق میں خبیث ہے، خصوصاً جب کہ یہ ایسے حاجت مند نہ ہوں جن کو سوال کی اجازت ہے کہ اب تو بے ضرورت سوال دوسرا حرام ہوگا اور وہ آمدنی خبیث تر وحرام مثلِ غصب ہے۔‘‘

(احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، لاہور، رضا فاؤنڈیشن [س-ن] ج:۲۳،ص:۳۸۰-۳۸۱)

ان محافل سے مستقل معاشی مفادات کو وابستہ کرکے اس کے انسداد کی ہر راہ بند کردی گئی ہے، باوجود اختلافِ مسلک کے اس دوطرفہ نقصان پر دل خون کے آنسوں روتا ہے کہ ایک طرف علمی روایت نے جو اپنی مضمحل صورت ہی میں قائم تھی، ان حلقوں میں دم توڑ دیا ہے۔ دوسری طرف سادہ لوح نوجوان پورے ایمانی جوہر اور مسلکی حمیت کے باوصف عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر مغربی ثقافت کی اسلام کاری کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

۲:........دوسرا نقصان یہ ہوا کہ ان محافل نے ان حلقوں میں عبادات کے اہتمام اور ذوق وشوق کو ختم کردیا۔ پہلے جاگنے والی راتوں میں لوگ شب بیداری کر کے تلاوت ونوافل اور اذکار وتسبیح کے ذریعے قربتِ الٰہی کی راہیں ڈھونڈتے تھے۔ اب جاگنے والی راتوں میں ان حلقوں کا جائزہ لیجیے، پوری رات گھروں، مسجدوں یا کیوٹی وی پر منعقد محافلِ نعت میں گزر جائے گی۔

اگر اب بھی اس حلقے کے علماء اس طرزِ عمل پر مہر بلب رہے کہ چلو اور کچھ نہ سہی یہ نعتیہ حلقے عوام میں بریلویت کو زندہ رکھنے اور میڈیا کی چمک دمک کو گرفت میں رکھنے کا سبب تو ہیں، تو انہیں اپنے ہی حلقے کے ہاتھوں اس کی بہت بھاری قیمت چکانی پڑے گی۔ آغا شاعر قزلباش نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کرکے لسان العصر اکبر الٰہ آبادیؒ کو تبصرے کے لیے بھیجا تو اکبر نے برجستہ جواب لکھا تھا کہ: ’’اب اس کلام کو گا بجا کر سنوارنے کا اہتمام بھی کردیجیے۔‘‘ پاکستان کے متجددین پہلے ہی فتویٰ دے چکے ہیں کہ موسیقی حلال ہے اور پاکیزہ کلام موسیقی کے ساتھ سنایا جائے تو سفلی جذبات نہیں بھڑکتے، بلکہ روح کو طراوت نصیب ہوتی ہے، گویا اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مغنیوں اور گویوں کے ذریعے استوار کیا جائے، نعوذ باللہ! اگر یہی صورت رہی اور اس کا بروقت اِزالہ نہ کیا گیا تو وہ دن دور نہیں جب ہمارے الیکٹرونک میڈیا پر کلام پاک بھی موسیقی پر نشر کیا جائے گا اور اس وقت سوائے آنسوں بہانے اور کفِ افسوس ملنے کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس خطرناک طرزِ عمل سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ عبادات واذکار کے ذوق وشوق اور اہتمام کے ساتھ جائز اور مستحسن طریق پر نعتیہ محافل کے انعقاد کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین ! بجاہ النبی الأمین وصلی اللّٰہ علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ و بارك و سلّم۔

.....❁.....❁.....❁.....

’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ اور اُن کا حکم

مولانا انعام اللہ

(تیسری قسط)

آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کیا آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی گزشتہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کی پیروی کے پابند تھے؟ تو سمجھ لینا چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دو مرحلے تھے: پہلا مرحلہ قبل از نبوت، دوسرا مرحلہ بعد از نبوت۔ دونوں مرحلوں کے حکم میں حسبِ ذیل تفصیل ہے:

پہلا مرحلہ:......قبل از بعثت ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ کی پیروی

اس میں حسبِ ذیل تین اقوال ہیں:

پہلا قول

بعض متکلمین کے نزدیک قبل از بعثت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ کی پیروی کا حکم نہیں دیا گیا۔

دوسرا قول

دیگر بعض علماء کرام کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے اس مرحلے میں گزشتہ شرائع کی پیروی کے پابند تھے، تاہم اس میں اختلاف ہے کہ کونسی شریعت کے پابند تھے؟ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت کے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے؟ یا پھر ہر اس حکم کے جس کا شرعی حکم ہونا ثابت ہو؟

تیسرا قول

تیسرا قول توقف کا، جو امام غزالیؒ اور قاضی عبدالجبار کی طرف منسوب ہے۔ امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

’’وبین المتکلمین اختلاف فی أن النبی علیہ السلام قبل نزول الوحی (علیہ) ھل کان متعبدا بشریعۃ من قبلہٖ ، فمنھم من أبیٰ ذلک ومنھم من توقف فیہ ومنھم من قال: کان متعبدا بذٰلک ۔‘‘(۱)

’’متکلمین کا آپس میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ وحی کے نزول سے پہلے کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پچھلی شریعت پرعمل کرنے کے پابند تھے؟ بعض علماء نے اس سے انکار کیا ہے۔ بعض نے توقف اختیار کیا ہے، جبکہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپ پچھلی شریعت پر عمل کرنے کے پابند تھے۔(اس کی تفصیل علم کلام میں ہے)۔‘‘

صاحبِ کشف الاسرار رقم طراز ہیں:

’’پچھلی شریعتوں کی پیروی کرنے کے حوالے سے علماء کا دو جگہوں میں اختلاف ہے: پہلی یہ کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی شریعت کی پیروی کے پابند تھے؟ بعض علماء، جیسے: ابوالحسین البصری اور متکلمین کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور بعض نے اس کو ثابت کیا ہے۔ تاہم مثبتین کا پھر اس میں بھی اختلاف ہوا: ایک قول یہ ہے کہ آپ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ ہر اس حکم کی پیروی کے پابند تھے جس کا آسمانی شریعت میں سے ہونا ثابت ہو جاتا۔ بعض علماء نے اس مسئلے میں توقف اختیار کیا ہے، جیسے امام غزالیؒ اور عبدالجبار وغیرہ۔ (۲)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

’’اس اصول کے مطابق ہم ایک مسئلہ پیش کرتے ہیں، وہ یہ کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہونے سے پہلے انبیاء میں سے کسی نبی کی شریعت پر عمل کرنے کے مکلّف (پابند) تھے؟ بعض علماء نے انکار کیا ہے، اور بعض نے ثابت کیا ہے۔ پھر بعض علماء نے حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت، بعض نے ابراہیم علیہ السلام کی شریعت، بعض نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت اور ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی طرف نسبت کی ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ تمام صورتیں از روئے عقل ممکن ہیں، تاہم قطعی طور پر معلوم نہیں کہ واقع میں کیا صورت تھی۔‘‘(۳)

یعنی تمام صورتیں اگرچہ عقلاً جائز ہیں، تاہم کسی دلیلِ قطعی سے کسی ایک صورت کا واقع ہونا معلوم نہیں، اس لیے ایسے امور میں اَٹکل سے باتیں کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، جن سے کوئی عملی عبادت متعلق نہ ہو۔

پہلے قول کی ترجیح

بہر حال! کتبِ عقائد میں اس قول کو ترجیح دی گئی ہے کہ قبل از بعثت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کی پیروی کا حکم نہیں دیا گیا، اس لیے کہ شریعتِ عیسوی سے پہلے کی شریعتیں تو شریعتِ عیسوی سے منسوخ ہوگئیں، جبکہ شریعتِ عیسوی ہمارے لیے اس بنا پر حجت نہیں کہ اس کے ناقلین نصاریٰ ہیں، جو عقیدۂ تثلیث اختیار کرنے کی وجہ سے کفر کے مرتکب ہوئے، اور کافروں کا قول معتبر نہیں۔ اور جو نصاریٰ تثلیث کے قائل نہیں، اور مکمل طور پر شریعتِ عیسوی کے پیروکار رہیں، وہ اتنی کم تعداد میں ہیں کہ ان کا قول حجت نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

''المسألة السابعة: الحق أن محمدا صلی اللّٰہ علیہ وسلم قبل نزول الوحی ما کان علٰی شرع أحد من الأنبیاء علیہم السلام، وذٰلک لأن الشّرائع السابقة علٰی شرع عیسٰی علیہ الصلاة والسلام صارت منسوخة بشرع عیسٰی علیہ الصلاة والسلام، وأما شریعة عیسٰی علیہ السلام فقد صارت منقطعة بسبب أن الناقلین عندہم النصاری، وہم کفار بسبب القول بالتثلیث، فلا یکون نقلہم حجة. وأما الذین بقوا علی شریعة عیسٰی علیہ السلام مع البراء ة من التثلیث فہم قلیلون، فلا یکون نقلہم حجة. وإذا کان کذٰلک ثبت أن محمداً صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما کان قبل النبوة علٰی شریعة أحد.''(۴)

''ساتواں مسئلہ: حق بات یہ ہے کہ نزولِ وحی سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء (سابقین) علیہم السلام میں سے کسی کی بھی شریعت پر نہیں تھے، اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے پہلی کی شریعتیں عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے ساتھ منسوخ ہوگئیں، جبکہ خود شریعتِ عیسوی کا (تسلسل) بھی منقطع ہوگیا، اس لیے کہ اس کے ناقلین نصاریٰ تھے اور عقیدۂ تثلیث کی وجہ سے وہ کافر ہیں، پس ان کی روایت حجت نہیں اور شریعتِ عیسویہ پر قائم عقیدۂ تثلیث کے منکر عیسائیوں کی تعداد انتہائی قلیل ہے، ان کی روایت اس لیے حجت نہیں۔ اور جب صورت حال یہ ہے تو ثابت ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے کسی بھی نبی کی شریعت پر نہیں تھے۔''

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اگرچہ اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں، تاہم راجح قول یہ ہے کہ قبل از نزولِ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سابقہ شریعت پر عمل کرنے کے پابند نہیں تھے۔

راجح قول پر اشکال

لیکن اس پر من جملہ دیگر شبہات کے ایک شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ قبل از بعثت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز،

حج، عمرہ اور صدقہ وخیرات کی ادائیگی کا اہتمام فرماتے تھے، حیوان کو ذبح کرکے کھاتے تھے، مردار کے کھانے سے اجتناب فرماتے تھے۔ اور یہ اُمور شریعت ہی سے معلوم ہوسکتے ہیں، عقل سے نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ آپ ان اُمور کی ادائیگی کسی سابقہ شریعت ہی کی پیروی میں فرماتے ہوں گے۔

اشکال کا جواب

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس شبہ کو نقل فرماکر جواب میں لکھتے ہیں:

’’ھٰذا فاسد من وجھین: أحدھما: أن شیئًا من ذٰلک لم یتواتر بنقل مقطوع بہ ولا سبیل إلٰی إثباتہٖ بالظن. الثانی: أنہٗ ربما ذبح الحیوان بناء علٰی أنہٗ لا تحریم إلا بالسمع ولا حکم قبل ورود الشرع، وترک المیتۃ عیافۃ بالطبع کما ترک أکل الضب عیافۃ، والحج والصلاۃ إن صح فلعلہٗ تبرکا بما نقل جملتہٗ من أنبیاء السلف، وإن اندرس تفصیلہٗ۔‘‘(۵)

’’یہ شبہ دو وجہ سے غلط ہے، ایک تو اس لیے کہ یہ امور کسی دلیلِ قطعی متواتر کے ساتھ منقول نہیں، اور ظنی دلائل سے ثبوت کافی نہیں۔ دوسرا اس لیے کہ شاید آپ نے حیوان اس وجہ سے ذبح کیا کہ کسی چیز کی حرمت دلیل نقلی ہی سے ثابت ہوسکتی ہے، اور نزولِ شریعت سے پہلے کوئی حکم موجود نہیں تھا، اور مردار کھانے کو طبعی ناپسندیدگی کی وجہ سے ترک کیا ہو، جیسے گوہ کھانے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح ترک فرمایا تھا۔ اور حج ونماز کی ادائیگی اگر صحیح روایت سے ثابت ہے، تو شاید آپ تبرکاً ادا کرتے ہوں، اس لیے کہ اجمالی طور پر یہ امور انبیاء سابقین علیہم السلام سے ثابت ہیں، اگرچہ ان کی تفصیلات مٹ چکی ہیں۔‘‘

دوسرا مرحلہ:......بعد از بعثت ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ کی پیروی

اس مسئلے میں دو حیثیتوں سے بحث کرنی ہے: ۱:...... جوازِ عقلی، ۲:......وقوعِ سمعی۔

۱:......جوازِ عقلی

جمہور کے نزدیک عقلاً اس میں کوئی مانع نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی سابق پیغمبر کی شریعت کی پیروی کا حکم دیا جائے، تاہم قدریہ کا اس میں اختلاف ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

’’أما الجواز العقلی فھو حاصل إذ للّٰہ تعالٰی أن یتعبد عبادہٗ بما شاء من شریعۃ سابقۃ أو مستأنفۃ أو بعضھا سابقۃ وبعضھا مستأنفۃ، ولا یستحیل منہ شیء لذاتہٖ ولا لمفسدۃ فیہ، وزعم بعض القدریۃ أنہٗ لا یجوز بعثۃ نبی إلا بشرع مستأنف، فإنہٗ إن لم یجدد أمرا فلا فائدۃ فی بعثتہٖ، ولا یرسل اللّٰہ تعالٰی رسولا بغیر فائدۃ۔‘‘(۶)

''یعنی از روئے عقل اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ کسی نبی کو گزشتہ شریعت کی پیروی کا پابند بنایا جائے، جس طرح اس کو نئی شریعت بھی دی جاسکتی ہے، تاہم قدریہ کا خیال ہے کہ اگر پرانی ہی شریعت پر عمل کرانا مقصود ہے تو نئے پیغمبر کو مبعوث کرنے میں کوئی فائدہ نہیں، اور اللہ تعالیٰ کسی رسول کو فائدے کے بغیر مبعوث نہیں فرماتے۔''

لیکن قدریہ کے اس موقف اور استدلال دونوں کو نقلی اور عقلی دلائل سے رد کیا گیا ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

''یدل علی جوازہٖ ما یدل علی جواز نصب دلیلین وبعثۃ رسولین معًا کما قال تعالٰی: (إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ)(یٰس:۱۴) کما أرسل موسٰی وھارون وداود وسلیمان، بل کخلق العینین مع الاکتفاء فی الإبصار بإحداھما، ثم کلامھم بناء علی طلب الفائدۃ فی أفعال اللّٰہ تعالٰی، وھو تحکم۔''(۷)

''اس کے جواز پر وہی دلیل دلالت کرتی ہے، جو ایک دعویٰ پر دو دلیلیں قائم کرنے کے جواز اور دو رسولوں کو ایک ساتھ مبعوث کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے، جیسے ارشاد فرمایا: ''إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ۔'' (یٰس:۱۴) [''جب بھیجے ہم نے ان کی طرف دو تو ان کو جھٹلایا، پھر ہم نے قوت دی تیسرے سے۔''] اور جیسے موسیٰ وہارون، داؤد وسلیمان علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، بلکہ جیسے دو آنکھیں بنائیں، باوجود یہ کہ دیکھنے کے لیے ایک آنکھ کافی ہے۔ پھر مخالف کے دعویٰ کی بنیاد افعالِ خداوندی میں فائدہ کو طلب کرنے پر ہے، اور یہ طرز بلا دلیل ہے۔''

۲:......وقوعِ سمعی

وقوعِ سمعی سے مراد یہ ہے کہ کیا قرآن وسنت میں ایسی کوئی نقلی دلیل موجود ہے، جس کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ شریعت کی پیروی کرنے کے پابند ہوں؟ یا گزشتہ شریعت کے احکام کو برقرار رکھا گیا ہو؟ یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا ہر ہر حکم نیا ہو؟ اس حوالے سے بحث کرتے ہوئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''أما الوقوع السمعی فلا خلاف فی أن شرعنا لیس بناسخٍ جمیع الشرائع بالکلیۃ إذ لم ینسخ وجوبَ الإیمان وتحریم الزنا والسرقۃ والقتل والکفر، ولکن حرم علیہ – صلی اللّٰہ علیہ وسلم – ھذہٖ المحظورات بخطابٍ مستأنفٍ أو بالخطاب الذی نزل إلی غیرہٖ وتعبد باستدامتہٖ ولم ینزل علیہ الخطاب إلا

بما خالف شرعهم، فإذا نزلت واقعة لزمهٗ اتباع دينهم إلا إذا نزل عليه وحی مخالف لما سبق فإلٰی هٰذا يرجع الخلاف۔''(۸)

''جہاں تک وقوعِ سمعی کا تعلق ہے، تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہماری شریعت تمام سابقہ شرائع کے لیے بالکلیہ ناسخ نہیں، اس لیے کہ (شرائع سابقہ کے احکام مثلاً) وجوبِ ایمان، زنا، چوری، قتل اور کفر کی حرمت شریعتِ محمدیہ نے منسوخ نہیں کی ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان ممنوعات کو مستأنف (از سرنو) خطاب (حکم) کے ساتھ حرام کیا، یا پھر ایسے خطاب (حکم) کے ساتھ حرام کیا، جو کسی اور پیغمبر کی طرف نازل ہوا، اور آپ کو اس کے دائم و برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف وہ احکام نازل ہوئے جو گزشتہ شریعتوں کے مخالف تھے، پس جب کوئی مسئلہ پیش آتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزشتہ انبیاء کے دین کی پیروی لازم ہوتی، مگر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی وحی نازل ہو جو گزشتہ حکم کے خلاف ہو، اسی میں اختلاف ہے۔''

حاصل یہ ہوا کہ بعد از بعثتِ نبوی ''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کی پیروی از روئے عقل جائز ہے اور از روئے نقل ثابت ہے، اس بات پر اگرچہ کوئی متعین نقلی دلیل موجود نہیں، تاہم کتبِ سماویہ میں موجود مشترک احکام ثبوتِ سمعی کو مستلزم ہیں، چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے، اور شرائعِ سماویہ کا مطالعہ کرنے والوں پر تو بالکل مخفی نہیں کہ شرائع میں کئی ایک احکام مشترک ہیں، سابقہ شرائع میں بھی موجود تھے اور شریعتِ محمدیہ میں بھی مشروع ہیں، جیسے قصاص کے احکام وغیرہ۔

حواشی

۱: ......أصول السرخسي، لمحمد بن أحمد، شمس الأئمة السرخسي، متوفی: ۴۹۰ھ، ج:۲، ص:۱۰۰۔

۲: ......كشف الأسرار شرح أصول البزدوي، ج:۲، ص:۲۱۲۔

۳: ......المستصفی، لأبي حامد محمد بن محمد الغزالي، الإمام، متوفی: ۵۰۵ھ، ج:۱، ص:۱۶۵۔

۴: ......معالم أصول الدين، لمحمد بن عمر الرازي، الامام فخر الدين، متوفی: ۶۰۶ھ، ج:۱، ص:۱۱۰۔

۵: ......المستصفی، لأبي حامد محمد بن محمد الغزالي، متوفی: ۵۰۵ھ، ج:۱، ص:۱۶۵۔

۶: ......حوالہ مذکورہ، ج:۱، ص:۱۶۵۔

۷: ......حوالہ مذکورہ۔

۸: ......حوالہ مذکورہ۔

(جاری ہے)

اِک ''نیازمند'' فرزندِ بنوری ٹاؤن

مولانا طلحہ رحمانی

اسلامی سال ۱۴۳۹ھ کے پہلے ''دن'' پہلا ''جمعہ'' عظیم مادرِعلمی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے لائق وفائق ''استاذ'' و ''ناظمِ دارالاقامہ''، ''معین ورفیقِ دارالافتاء'' اور قابلِ افتخار فاضل نوجواں، گلشنِ بنوری کے ''فرزند'' مولانا مفتی محمد نیاز رحمۃ اللہ علیہ اچانک حرکتِ قلب بند ہوجانے سے رحلت فرما گئے، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون ۔کم عمری میں ممتاز ونمایاں خوبیوں کا مالک میرا ''چھا چھی ملا'' (میں اُن کے سنگی کہنے کے جواب کے طور پہ کہتا) پاکیزہ اُلفتیں لُٹانے والا ایک ''ہمدرد انسان'' تھا۔ اس مردِقلندر کا نام والدین نے ''محمد نیاز'' رکھا تھا۔

خمیرِنسبت

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آبائی علاقہ سرزمینِ چھچھ کا معروف گاؤں ''شینکہ'' تھا۔دریائے اباسین کے ساتھ متصل شمال میں ایک سو دوگاؤں پہ مشتمل علاقہ چھچھ جس کا مرکزی شہروتحصیل مقامِ حضرو ہے۔اس ''فرزند'' کا تعلق ''شینکہ'' گاؤں میں ایک محنتی وغیور جفاکش ''محمد یونس'' مرحوم کے گھرانہ سے ہے، پانچ بیٹے، ایک بیٹی پہ مشتمل اس کنبہ کے سب سے چھوٹے فرزند ''مفتی محمد نیاز'' کی پیدائش ۲۰/ذوالحجہ ۱۳۹۱ھ موافق ۵/فروری ۱۹۷۲ء بروز ہفتہ کو ہوئی، سادگی کے پیکر نیک صالح والدین نے اپنے اس بیٹے کوعظمتِ دین کی ترویج واشاعت کے لیے وقف کرنے کا عزم کیا، والدین نے اعلیٰ اخلاقی تربیت کرتے ہوئے علاقہ کی روایت کے مطابق ابتداء میں گاؤں کی مسجد میں ناظرہ قرآن کے ساتھ ابتدائی عصری تعلیم کے لیے مقامی اسکول میں داخل کروایا۔عمرِشعور کے ساتھ ہی اپنے گاؤں سے متصل دوسرے گاؤں ''ملک مالا'' میں معروف مربی استاذ العلماء حضرت ''قاری محمد اسماعیل'' مدظلہ العالی کے یہاں حفظِ قرآن کے لیے داخل کروایا۔حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کی خصوصی توجہ وشفقت سے ''محمد یونس'' مرحوم کے فرزند ''محمد نیاز'' ۱۹۸۶ء میں حفظِ قرآن کی تکمیل کی نعمت وسعادت سے شرف

یاب ہوکر اَب ''حافظ محمد نیاز'' بن چکے تھے، اس عظیم انعام کی صورت میں والدین کا بھی ایک خواب حقیقت کی تعبیر کی شکل میں سامنے تھا، جس پہ پورا گھرانہ وخاندان رب تعالیٰ کے حضور شکر بجالا رہا تھا۔ تکمیلِ حفظ کے بعد گردان اور ضروری عصری تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا، قرآن مجید کی پختگی کے ساتھ ساتویں جماعت تک مقامی اسکول میں پڑھائی بھی مکمل کی۔

درخت لگانا ہمارا اور پھل دینا اللہ کا کام ہے

والدین واہلِ خانہ نے اپنے خواب کے اگلے مرحلہ کی تکمیل کی غرض سے علومِ دینیہ کے حصول کے لیے باہمی مشاورت کے بعد عالم اسلام کے معروف مرکزِ علم وعرفاں ''جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی'' کا انتخاب کیا۔ اس عظیم ادارہ میں داخلہ کی مشکلات کی آسانی کے لیے ''حافظ محمد نیاز'' کے مرحوم والد اور ان کے بڑے بھائی ''محمد ابراہیم'' اپنے گاؤں سے متصل دوسرے گاؤں ''بہودی'' تشریف لے گئے، جہاں برصغیر کی معروف علمی ہستی عارف باللہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی، حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس علاقہ کی دینی وعلمی شخصیت کے ساتھ سیاستِ اسلامی کے بھی سرخیل تھے، اور علاقہ چھچھ میں دینی و سماجی حوالہ سے معروف نام رکھتے تھے۔ آپ ''جامعہ اسلامیہ راولپنڈی'' کے ''بانی وشیخ الحدیث'' بھی تھے، علاقہ چھچھ میں عملاً اسلامی سیاست کی وجہ سے انتخاب میں فتح یاب ہوکر پنجاب کی وزارت پہ بھی فائز رہے۔ برسوں ہر ہفتہ میں بروز بدھ اور جمعرات علاقہ میں موجود ہونے کا آپ کا معمول رہا۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے بھائی ''امامِ اہلِ سنت حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ'' عالمِ اسلام کے عظیم مرکز گلشنِ بنوری جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم اور اس ادارہ کے بانی ''محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری الحسینی رحمۃ اللہ علیہ'' کے حیاً ومیتاً جانشین ودامادتھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی دینی مصروفیات ومشاغل کی بنا پہ بہت کم اپنے علاقے کی طرف تشریف لے جاتے۔ اگر اسلام آباد، راولپنڈی یا پشاور کی طرف آپ کا جانا ہوتا اور وقت ملتا تو ضرور اپنے آبائی علاقہ میں جاتے، آپ کی گاؤں آمد اکثر اپنے بڑے بھائی حضرت قاری سعید الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہی ہوتی۔

قاری صاحبؒ سے اسی مناسبت وتعلق اور تعارف کی بنا پہ ''حافظ محمد نیاز'' کے ''والد مرحوم'' اور بھائی ''محمد ابراہیم'' ان کے پاس ''بہودی'' ملاقات کے لیے گئے۔ انیس سو ستاسی کی بات ہے، وہاں جاکر اپنے برخوردار کے تکمیلِ حفظ اور اپنے خاندان کی خواہش کا بتلایا کہ ہم اس ''بچے'' کو دینی علوم پڑھاکر عالمِ دین بنانا چاہتے ہیں، آپ اپنے چھوٹے بھائی مفتی صاحب کے نام سفارش کے طور پہ تحریر لکھ دیں، تاکہ ہم اس کو درسِ نظامی کے حصول کے لیے کراچی بھیج دیں۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: میرے بھائی ''مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ'' گاؤں تشریف لائے ہوئے ہیں، اور گھر میں موجود ہیں،

تھوڑی دیر میں وہاں موجود اُن کی بیٹھک میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو اُن کے سامنے اپنے مُدعا اور خواہش کا اظہار کیا، ''بھائی محمد ابراہیم'' کے بقول ہم نے حضرت سے تحریر لکھنے کی بات کی، تاکہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ کی آسانی ہو، تو ''حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ'' نے ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ: ''درخت لگانا ہمارا کام ہے، پھل دینا اللہ کا کام ہے۔''

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ادارہ کے منتظمین کے نام تحریر لکھ کر ان کو دی تو بھائی ابراہیم نے ان سے وہ جملہ بھی اس تحریر پہ لکھنے کا کہا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی خواہش پہ وہ بھی اس تحریر میں لکھ دیا، یوں ''حافظ محمد نیاز'' کو کراچی میں دینی تعلیم کے حصول کے لیے کراچی کے لیے روانہ کرنے کا طے ہوا۔ بھائی محمد ابراہیم نے بتایا کہ میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو تاکید کی کہ اس سفارشی تحریر کو متعلقہ ناظم صاحب کو دکھا کر ان سے لے لینا اور اس کو بطورِ تبرک و تاریخی یادداشت کے طور پہ اپنے پاس محفوظ رکھنا۔ ۱۹۸۸ء میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ابتدائی درجات میں داخلے کے لیے امتحان پاس کیا، منتظمِ جامعہ نے نئی قائم ہو نے والی شاخ ''مدرسہ عربیہ اسلامیہ'' ملیر میں رہائشی داخلہ کا بطاقہ دے دیا۔ درجہ اولیٰ سے درجہ رابعہ تک مفتی نیاز رحمۃ اللہ علیہ محنت لگن اور مستقل مزاجی سے جامعہ کی ملیر شاخ میں اپنے باکمال اساتذہ کی مثالی تربیت میں درسِ نظامی کی تعلیم کا ایک مرحلہ مکمل کر کے درجۂ خامسہ میں اپنے ہم جماعت طلبہ کے ساتھ مرکز آ گئے۔

اس وقت ملیر شاخ کے ناظم مولانا عبدالغفار زید مجدہٗ نے ان کے بارے میں بتایا کہ مفتی صاحب ذی استعداد، فہیم و ذکی طلبہ میں شمار ہوتے تھے اور ان گزرے چار سالوں کے روز و شب میں کبھی بھی اپنے اساتذہ کو معمولی شکایت کا موقع نہیں دیا، نیک صالح عادات، ادب و احترام سے مزین خادمانہ طبیعت اور اخلاق و سنجیدہ گفتار کی مثالی صفات کی بنا پہ ان کا نمایاں طلبہ میں شمار ہوتا تھا۔

درجہ خامسہ سے ۱۹۹۵ء میں درجہ سابعہ تک درسِ نظامی کے اختتام کے آخری سال سے قبل ''حافظ محمد نیاز'' اساتذہ کے مشورہ سے دورہ حدیث شریف سے قبل مینگورہ سوات میں ایک سال کے لیے فنون کی پختگی کے لیے چلے گئے، ایک سال میں مزید اعلیٰ علمی استعداد میں کمال حاصل کر کے واپس مادرِ علمی میں تشریف لائے اور ''امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ'' نے علم کا جو درخت لگایا تھا وہ اب ''حافظ محمد نیاز'' سے ''مولانا محمد نیاز'' بن چکے تھے، اور اس تن آور درخت کی آبیاری کرنے والی وہ عظیم ہستیاں تھیں جو سب علم و فضل، تقویٰ و ورع، دور اندیشی اور اپنے زمانہ میں یکتا صفات و کمالات میں ممتاز درجہ پہ تھیں۔ اس عظیم مادرِ علمی کے نابغۂ روزگار اربابِ علم و فہم سے ''حافظ محمد نیاز'' نے کسبِ فیض کرتے ہوئے علوم نبوی کی سند حاصل کی۔ عظمتِ رفتہ کی اس عظیم مسندِ حدیث پہ جن نایاب جواہر نے اس پتھر کو تراشا اُن میں شہدائے جامعہ کے سرخیل دامادِ علامہ بنوریؒ ''حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید و حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ'' اور باغبانِ بنوری کے مسند نشین ''حضرت مولانا

ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم العالیہ'' جیسے سلاطینِ علم وعمل کے بلند نام سرِفہرست ہیں۔

حصولِ علم کے اس پڑاؤ پہ دیگر درجات کی طرح درجہ عالیہ میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اختتامی امتحان میں بھی ممتاز حیثیت کے چند خوش بخت طلبہ میں شامل تھے۔ ''مولانا محمد نیاز'' نے اپنے اساتذہ کے پڑھائے ہوئے سبق کے مطابق درسِ نظامی سے فراغت کے بعد اپنی علمی سیرابی کی غرض سے فقہی ذوق کا اظہار کیا، آپ کی تربیتِ علم وعمل کے مشفق ومربی اساتذہ نے ''درجہ تخصص فی الفقہ'' کے لیے چنیدہ جید طلبہ میں آپ کا بھی انتخاب کیا۔

تخصص فی الفقہ کا پہلا سال ۱۹۹۷ء کا تھا جو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے وابستہ لاکھوں فیض یافتہ ہر چھوٹے بڑے کے لیے ''عام الحزن'' کے طور پہ بالعموم رہا، لیکن ''مولانا محمد نیاز'' کے لیے بالخصوص کئی تکالیف والمناکیوں سے پُر تھا، اس سال جامعہ کے ''مہتمم وشیخ الحدیث'' حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ اور ہر دلعزیز ''ناظم'' حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادتیں ہوئیں، ان شہداء کے لیے جہاں عظیم سرفرازی کی سعادت رہی، وہیں جامعہ کے لیے انتہائی مصائب وآزمائشوں کے ساتھ یہ سال اختتام پذیر ہوا۔ ''مولانا محمد نیاز'' کے جہاں روحانی والد وشفیق اساتذہ کا سایہ سر سے اُٹھا وہیں ان کے عظیم محنتی وجفاکش والد ''محمد یونس'' مرحوم بھی اس دارِفانی سے رحلت فرما گئے تھے۔ بڑوں سے سنا ہے کہ آزمائشوں کی بھٹی سے نکل کر کندن بننے والے ہی باکمال شخصیت کے روپ میں ڈھلتے ہیں، ''مولانا محمد نیاز'' کی شخصیت سازی کی صورت میں تکوینی طور پہ مقدر ہو رہا تھا، کیونکہ شہید ہونے والے جامعہ کے عظیم ہر دل عزیز فرزند ''حضرت مفتی عبدالسمیع شہید رحمۃ اللہ علیہ'' کی جگہ پہ اگلے ہی سال جامعہ کے ''افریقی دارالاقامہ'' کی نظامت کے لیے اساتذہ نے ''مولانا محمد نیاز'' کی تقرری کی جو کہ اب ''تخصص فی الفقہ'' کا بڑا علمی وفقہی مرحلہ طے کر کے باقاعدہ مستند ''مفتی'' بن چکے تھے۔

''مفتی محمد نیاز'' کو اللہ نے کم عمری میں کئی نمایاں علمی عملی وروحانی صفات کے ساتھ اعلیٰ انسانی خوبیوں سے بھی خوب نوازا تھا۔ چھبیس سال کی عمرِ شباب میں ۱۹۹۸ء میں باقاعدہ جامعہ میں بحیثیتِ ''ناظم دارالاقامہ'' تقرری ہوئی، اس ذمہ داری کے ساتھ جامعہ کے معین طریقہ کے مطابق ''ناظم مطبخ'' کے طور پہ بھی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ علمی وفقہی طور پہ شعبہ تدوین وتخریج سے منسلک رہنے کے ساتھ علوم وفنونِ درس نظامی کی تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ جامعہ کے مزاج واسلوبِ خاص کے مطابق تدریس پہ بتدریج ترقی کرتے ہوئے درجاتِ علیا ومعہد عربی میں مختلف درجات میں سلسلہ دمِ آخر تک جاری رہا۔ جامعہ کے نظام چرمہائے قربانی میں سالوں مکمل فعالیت کے ساتھ آپ کی خدمات بھی مثالی رہیں۔ تدوینِ فقہ وتخریج کے شعبہ سے ابتدا ہی سے آپ منسلک تو تھے، لیکن آپ کے عمیق ودقیق فقہی رسوخ کی بنا پہ پانچ برس قبل مستقل آپ کو دارالافتاء کی مسند نشینی کے اعزاز کے ساتھ معین ورفیقِ دارالافتاء کے طور پہ بھی مقرر کیا گیا۔

گزشتہ دس سالوں سے کراچی کے علاقہ ناظم آباد میں ''قدوسیہ مسجد'' میں خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، راقم کو دیگر بعض قریبی ذرائع نے بتایا کہ آپ کا اُسلوبِ بیاں شیریں، انتہائی سلیس وجامع اور اصلاحی انداز کا ہوتا جو سننے والے کو انتہائی متاثر کر دیتا تھا، اخلاص سے نکلنے والی ہر بات کی تاثیر بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ ''مفتی نیاز رحمۃ اللہ علیہ'' سے اللہ نے اس خطابتِ جمعہ کی برکت سے دین کے اس شعبہ میں بھی کام لیا۔

اہلِ خانہ کی کراچی آمد

جامعہ کی عنداللہ قبولیت ومقبولیتِ عام وخاص کی بنا پہ مکانی طور پہ قلت کا سامنا رہا ہے، عین شہر کے وسط میں موجود اس عظیم مرکزِ علم ودانش کی اب ذیلی شاخیں شہر کے مختلف علاقوں وسیع رقبوں پہ مشتمل ہونے کے باوجود کم گنجائش سے بھی احباب واقف ہیں، اساتذہ کی سہولت کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی رہائش گاہوں کی تعمیر جدید بھی دیگر شعبوں کی مانند ترقی پذیر رہی ہے، جگہ کی قلت کے پیشِ نظر ترجیحی طور پہ اساتذہ کو ضرورت کے مطابق رہائش فراہم کی جاتی ہے، اسی نظم کو سامنے رکھتے ہوئے گزشتہ سال ''مفتی محمد نیاز رحمۃ اللہ علیہ'' کو بھی گھر دیا گیا، لیکن کئی ماہ گزرنے کے باوجود اُن کی اہلیہ و بچے جو کہ آبائی علاقہ میں رہائش پزیر تھے یہاں کراچی نہ آسکے، میری طرح ان کے دیگر رفقاء واساتذہ نے بھی پوچھا تو معلوم ہوا کہ ان کی ضعیف والدہ محترمہ کی نگہداشت کی ذمہ داری ان کی اہلیہ محترمہ انجام دیتی ہیں، اور باوجود اصرار کے ان کی والدہ کی طرف سے کراچی آنے کا انکار رہا۔ میں نے ان سے اس بابت دو تین بار بات کی تو اپنے مخصوص اندازِ گویائی میں فرمایا کہ ''میرے لیے اور میرے بچوں کے لیے والدہ کی خدمت بڑی سعادت ہے، اس لیے علم ودین کی خاطر بچوں سے دوری، والدہ جیسی ہستی کی خدمت کے اجر سے محروم نہیں ہونا چاہتا، یہ اللہ کی طرف سے میرے لیے بہت بڑی سعادت ونعمت ہے۔'' میں نے کہا کہ ان کو بھی ساتھ یہاں آنے کا کہیں تو فرمایا کہ: ''میں نے ان کو کہا ہے، لیکن ابھی تک وہ یہاں آنے پہ آمادہ نہیں ہیں۔''

چند دن قبل عیدالاضحیٰ کی تعطیلات کے دنوں میں ان کو اکثر کھالوں کے امور میں مصروف دیکھا اور اس موضوع پہ پھر بات ہوئی تو کہا کہ: ''والدہ نے بچوں کو بھیجنے کی اجازت تو دی ہے، لیکن میری طبیعت پہ ان (والدہ) کے نہ آنے کا بوجھ ہے۔'' ان کی اس فرماں برداری وتابع داری، سعادت مندی اور خوش بختی پہ ان کی دیگر کئی نمایاں خوبیوں پہ رشک میں بہت اضافہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کو بہتر جانتا ہے، ان کی زندگی کے آخری ایام میں ان کی اہلیہ اور بچوں کی کراچی آمد پہ ان کی یہاں گھر کی آبادی ہو رہی تھی اور ''مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ'' اپنی حیات کی متعین سانسوں کو پورا کر رہے تھے، ان کے انتقال سے ایک ہفتہ قبل ان کے اہل خانہ کراچی تشریف لائے، جس میں ان کی اہلیہ، دو بیٹیاں اور اکلوتے فرزند آٹھ سالہ ''محمد حسن'' شامل تھے، ان کے دو بھتیجے حافظ عبداللہ

سلمہٗ اور محمد عمر سلمہٗ بھی گزشتہ سالوں سے ان کی زیرِنگرانی ساتھ رہتے تھے۔ حافظ عبداللہ سلمہٗ بہت کم عمری سے اپنے چاچا کے ساتھ جامعہ میں تکمیلِ حفظ کے بعد اب درجہ سادسہ میں زیرِتعلیم ہیں۔ انہوں نے اپنے شعور کی آنکھ مفتی نیازؒ کی آغوشِ شفقت میں ہی کھولی، انہوں نے بتایا کہ: ''چاچا جی سادگی کا پیکر تھے، کبھی بھی میں نے ان کو دنیاوی کسی بھی خواہش کا اظہار کرتے نہیں دیکھا اور اگر میں کبھی کچھ اظہار کرتا تو ہر شرعی حدود میں جائز خواہش پوری کرتے، میں سالوں ان کے ساتھ ایک کمرے میں رہا، انہوں نے کبھی اپنی خدمت کرنے کا اشارہ بھی نہیں کیا، بلکہ وہ میری خدمت کرتے، کپڑے دھونے ہوں یا استری کرنی ہو خود کرلیتے تھے، اب کچھ عرصہ سے میں خاموشی سے کرلیتا تھا، اگر کبھی جلدی میں ہوتے تو بغیر استری کے کپڑے پہن لیتے تھے، اب ہمارے دوسرے چچازاد بھائی محمد عمر بھی یہاں تعلیم حاصل کررہے تھے، آپ اکثر رات گئے تک دارالافتاء میں مصروف ہوتے، تاخیر سے کمرے میں آتے تو ہم سورہے ہوتے، ہماری نیند میں حرج نہ ہوجائے، اس لیے کئی بار خاموشی سے نیچے مسجد میں جاکر آرام کرلیتے، بعض مرتبہ زیادہ تاخیر ہونے کی بنا پہ اذانِ فجر تک اپنی عبادات ومعمولات میں مصروف رہتے۔''

برخوردار عبداللہ سلمہٗ نے ایک حیران کن بات یہ بتائی کہ ''جامعہ میں مقیم اساتذہ کو غیر زکوٰۃ کی مد میں کھانے کا استحقاق ہونے کے باوجود ساری زندگی آپ نے اپنے اور ہمارے کھانے کے پیسے جامعہ کے محاسب میں جمع کرواتے تھے۔'' اس کی تصدیق دیگر قریبی احباب نے بھی کی۔

سبحان اللہ! اس عمر میں ایسے مثالی تقویٰ وجذبہ کے حامل تھے۔ مفتی صاحب کے دوسرے بھتیجے ''محمد عمر'' ان کے انگلینڈ میں مقیم بھائی ''محمد سعید'' کے فرزند ہیں۔ اللہ نے اس برخوردار کو کم عمری سے بہت خوبصورت آواز کی نعمت سے نوازا ہے۔ ''مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ'' کے صدقہ جاریہ کی صورت میں ان کی حفظِ قرآن کی تکمیل چند دنوں میں ہورہی تھی، ان شاء اللہ! اب ان کے دنیا سے جانے کے بعد یہ دونوں بھتیجے اور ان کی دیگر اولاد ان کے لیے صدقاتِ جاریہ کی صورت میں سرمایہ ہوں گے۔

جامعہ کے حوالہ سے انتہائی فکرمند اور حساس ہونے کی بنا پہ اپنے معاصر احباب میں منفرد تھے۔ جامعہ کے مفادات ان کی زندگی کی اولین ترجیح تھی، سالانہ واستحقاقی تعطیلات میں اکثر ان کو جامعہ میں مصروفِ خدمت دیکھا، ان تعطیلات کے مواقع پہ گاؤں نہ جانے کا پوچھتا تو وہ جامعہ کے مفادات پہ اہتمام سے ایسے تفصیل سے بات کرتے جیسے کسی لاعلم کو کوئی سمجھا رہا ہو، اور میں ازراہِ تفنن کے ان کو کہتا کہ آپ کا اصلاحی بیان ختم ہوگیا یا ابھی کچھ باقی ہے؟ تو فوراً اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ کہتے کہ: ''آپ سے دل کی بات کرکے میرا مذاکرہ ہوجاتا ہے۔''

اسلامی سال ۱۴۳۹ھ کا پہلا دن جمعۃ المبارک موافق ۲۲ رستمبر ۲۰۱۷ء کی صبح آپ نے حسبِ معمول نمازِ فجر واشراق کی ادائیگی کے بعد اپنے ہفتہ قبل نئے آباد ہونے والے گھر میں ناشتہ کیا، اور

اپنے محبوب مشغلہ یعنی مطالعہ میں مصروف ہو گئے، جمعہ کی تعطیل کے باوجود درمیانی وقت میں اپنے دارالاقامہ کا بھی چکر لگایا، اور واپس گھر تشریف لے آئے۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے دن آپ نے سینہ میں درد محسوس کیا تو جامعہ میں موجود کلینک میں ڈاکٹر عارف کے پاس گئے، انہوں نے معائنہ کیا اور کہا کہ آپ تفصیلی چیک اپ کے لیے جناح ہسپتال کے ہارڈ سینٹر کارڈیو چلے جائیں اور ایک پرچہ لکھ کر ان کو دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے تاکید کی کہ فوراً جائیں اور اپنے ساتھ لازمی کسی کو لے جائیں۔ ''مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ'' نے ڈاکٹر صاحب کی طرف سے دی ہوئی پرچی پہ ان کو اپنا نمبر لکھنے کا بھی کہا، تاکہ وہاں ڈاکٹر حضرات سے ان کی بات کرواسکیں، جامعہ کے شرقی گیٹ کی طرف سے جانے لگے تو وہیں ایک رکشہ خالی ہو رہا تھا، اس میں بیٹھ کر تنہا روانہ ہوگئے، درمیان میں صدر کے معروف علاقہ میں رکشہ ڈرائیور نے دیکھا کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پچھلی نشست پہ بیٹھے بیٹھے لیٹ گئے ہیں، اس نے رکشہ روک کر دیکھا تو ''مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ'' اس فانی دنیا سے دارالبقاء کی طرف جا چکے تھے۔ ڈرائیور کو اس کا اندازہ نہیں تھا، وہ ان کو بے ہوش سمجھ کر ایمبولینس کو بلوا چکا تھا اور رابطہ کرنے کے لیے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جیب میں موجود ڈاکٹر عارف کے پرچہ میں لکھے ہوئے ان کے نمبر پہ فون کیا۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت نمازِ جمعہ کی ادائیگی میں مصروف تھے، متصل نماز کے بعد کئی بار آنے والے اس اَن جانے نمبر پہ کال کی تو رکشہ ڈرائیور نے بتایا کہ میں نے جامعہ بنوری ٹاؤن کے گیٹ سے ایک مولانا صاحب کو جناح ہسپتال کے لیے اپنے رکشہ میں بٹھایا تھا اور اب میں جناح ہسپتال میں ہوں اور یہ مولانا صاحب فوت ہوگئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فوراً اس کی اطلاع جامعہ کے ذمہ داران کو دی جو فوری طور پہ جناح ہسپتال پہنچے تو وہاں اس فرزندِ جامعہ کی میت رکھی ہوئی تھی۔

جامعہ کے ناظمِ تعلیمات و استاذ الحدیث حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مدظلہ العالی اور استاذ الحدیث حضرت مولانا فضل محمد صاحب زید مجدہٗ سمیت کئی اساتذہ ہسپتال میں پہنچ چکے تھے۔ اس المناک حادثہ کی اطلاع جامعہ میں دی گئی اور یک دم سوشل میڈیا و موبائل میسجز کے ذریعہ جنگل کی آگ کی طرح منٹوں میں پہنچ گئی۔ اس اچانک خبر کی ہر کوئی تصدیق کرتے ہوئے سکتہ کی کیفیت میں آ گیا۔ اس جوانی میں اس فرزند کی جدائی پہ پورا جامعہ ہی سوگوار ہوگیا۔ کراچی بھر میں موجود جامعہ کے اساتذہ، فضلاء اور محبین دیوانہ وار انداز میں جامعہ پہنچنا شروع ہوگئے۔

ہر آنکھ اشکبار، ہر دل رنجیدہ، ہر شخص غم واندوہ کی کیفیت میں تھا۔ راقم جب جامعہ کے مہمان خانہ میں پہنچا تو جامعہ کے نائب مہتمم حضرت مولانا سید سلیمان بنوری الحسینی زید مجدہٗ اور بڑے بھائی صاحبزادہ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن رحمانی مدظلہٗ کی موجودگی کے ساتھ ہی جامعہ کے ناظمین اساتذہ وطلاب کی آمد شروع ہوگئی تھی۔ حزن والم میں ڈوبا ہر شخص دوسرے سے گلے مل کر روتا ہوا نظر آیا، صبر وتسلی کا درس دیتے بڑے بھی ضبط کرتے کرتے رو پڑتے۔

طلبۂ جامعہ جن کو ’’مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ‘‘ اپنی اولاد کی مانند عزیز رکھتے تھے، جن کی معمولی تکلیف پہ مچل جاتے تھے، وہ سب حسرتِ غم میں پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے، پیکرِ سادگی ’’مفتی محمد نیاز رحمۃ اللہ علیہ‘‘ کی اچانک فرقت میں آپ کے معاصر ناظمین کی حالت بھی غیر تھی۔ جامعہ پہ ایک بڑے سانحے کی شکل میں سوگواری کی فضاء چھا چکی تھی۔ چنانچہ فوری طور پہ درجہ سابعہ کی درسگاہ کو خالی کروا کر میت کی تجہیز وتکفین کی تیاریاں شروع کردی گئیں۔ تقریباً سہ پہر پونے چار بجے ہسپتال سے حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مدظلہ العالی اس فرزندِ جامعہ کی میت کو لے کر مہمان خانہ والے دروازہ سے داخل ہوئے تو ضبط کے سب بندھن ٹوٹ سے گئے۔ جامعہ کی نسبت سے قائم ہونے والے ان رشتوں کی باہمی اُلفت و محبت میں خونی ونسبی رشتے بھی کم لگتے ہیں۔ اپنے مادرِ علمی اور اس کے مفادات کے لیے حساس اور ہر دینی ادارہ میں قابلِ ستائش جذبات دیکھے ہیں، لیکن چند بہت ہی دل آفرین مناظر جو ’’علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ‘‘ کے اس ادارہ میں ہماری آنکھوں نے دیکھے ہیں وہ رنگِ اپنائیت کہیں دیکھنے کو نہیں ملے۔

’’مفتی محمد نیاز رحمۃ اللہ علیہ‘‘ کی میت کو اسی عمارت کی ایک درس گاہ درجہ سابعہ میں لایا گیا، جس کے آپ سالوں سے نظامت کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں، تابوت والے بھی آچکے تھے، اور وہاں موجود سیکڑوں علماء وطلبہ نے اپنی آہوں سسکیوں میں اس مردِ قلندر کا آخری دیدار کیا۔ غسل کے بعد تکفین اور تابوت میں آپ کے جسدِ خاکی کو رکھا گیا، اسی کے ساتھ ہی اذانِ عصر ہوئی اور سوا پانچ بجے نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد گلشنِ بنوری کے باغبان حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ العالی نے اپنے روحانی فرزند کا جنازہ پڑھایا۔ مختصر اطلاعی وقت کے باوجود ہزاروں افراد نے نمازِ جنازہ ادا کی، اور اس کے بعد میت کو لے کر ان کے تعلیمی ہم سفر ہم مکتب رفیق مفتی رفیق احمد بالاکوٹی زید مجدہ ائیر پورٹ چلے گئے، رات نو بجے کے جہاز سے ان کے آبائی علاقہ میں میت لے جانا طے ہوا۔

مفتی رفیق احمد و برادرِ عزیز مولانا سعید اسکندر اور راقم کا جانا طے ہوا، دیگر اساتذہ واحباب کی بھی خواہش تھی، لیکن جہاز میں سیٹوں کی عدم دستیابی کی بنا پہ ان کے اہل خانہ کے ساتھ ہمارا جانا ہوا، وقتِ مقررہ رات نو بجے اسلام آباد روانہ ہوئے۔ تقریباً پونے گیارہ بجے اسلام آباد میں موجود تھے۔ وہاں ائیر پورٹ پہ مردان سے جامعہ کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مدظلہٗ کے دو صاحبزادے مولانا حماد اللہ و مولوی ضیاء اللہ سلمہم اللہ اپنے ادارے کی ایمبولینس کے ساتھ موجود تھے۔ ’’مفتی محمد نیاز رحمۃ اللہ علیہ‘‘ کے بڑے بھائی ’’محمد ابراہیم‘‘ اور ان کے بھتیجوں سمیت دیگر حضرات بھی موجود تھے، اسلام آباد/ راولپنڈی کے کئی غمگین فضلائے جامعہ بھی اس فرزند کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے جذبات کے ساتھ موجود تھے۔

کارگو سے میت کی وصولی کے ساتھ ایمبولینس اور گاڑیوں کے ایک قافلے کی شکل میں براستہ موٹروے روانہ ہوئے، تقریباً ڈیڑھ بجے علاقہ چھچھ کی سرزمین میں واقع ’’شینکہ‘‘ گاؤں پہنچے تو رات کے اس سناٹے میں جب شہروں میں بھی دنیا سورہی ہوتی ہے اس وقت چھچھ کے اس دیہات میں

کثیر تعداد میں لوگ برلب سڑک موجود تھے۔ میت ''مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ'' کے آبائی گھر میں افرادِ گھرانہ لے گئے۔ ایک عجیب دردناک سی کیفیت ہم سب پہ چھائی ہوئی تھی۔ جنازہ کے بارے میں ان کے وہاں موجود برادران نے بتایا کہ پہلے صبح آٹھ بجے کا طے کیا تھا، لیکن ہمارے بھائی ''محمد سعید'' انگلینڈ سے روانہ ہوچکے ہیں، اس لیے ہم نے مشورہ کے بعد اب بعد نمازِ ظہر ڈھائی بجے کا حتمی اعلان کیا ہے۔

اس شبِ تاریک کی حالتِ غم میں بھی ان کے خاندان کے افراد نے ہم کو مہمان جان کر کھانے کا بہت اصرار کیا، لیکن اپنی ترتیب کے مطابق وہاں کم وبیش ایک گھنٹہ گزارنے کے بعد اس گاؤں سے متصل ہمارے گاؤں بہبودی جانا ہوا۔ برادرِ محترم مولانا محمد زبیر زید مجدہٗ جو جامعہ کے فاضل اور مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق بھی ہیں اور مستقل برطانیہ میں ہوتے ہیں، اپنے آبائی گاؤں تشریف لائے ہوئے تھے، اور اب ماشاء اللہ! ان کے صاحبزادہ جامعہ میں زیرِ تعلیم بھی ہیں، رات ڈھائی بجے ان کے گھر بغرضِ آرام جانا ہوا، ہمارے ساتھ مردان سے آئے ہوئے احباب بھی ساتھ تھے۔

صبح نو بجے کے قریب ہم اپنے گاؤں کے قبرستان میں ہمارے دادا جان محدث کبیر حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ اور خاندان کے دیگر بڑوں کی قبور پہ حاضری کے بعد علاقہ چھچھ کی معروف دینی درسگاہ جامعہ علوم اسلامیہ بہبودی پہنچے۔ ادارہ کے ذمہ داران حضرت مولانا سعید الرحمٰن اور مفتی عبدالحفیظ زید مجدہم نے بتایا کہ صبح سے کافی فضلائے جامعہ دور دراز کے علاقوں سے یہاں پہنچے ہیں، ان حضرات سے ملاقات ہوئی، کافی ساتھی غم سے نڈھال تھے، مفتی رفیق احمد صاحب زید مجدہ نے اپنے جذبات پہ قابو رکھتے ہوئے صبر کی تلقین کی۔ جھنگ سے مفتی صاحب کے چھوٹے بھائی فاضلِ جامعہ مولانا جمیل احمد بالاکوٹی سمیت کے پی کے کے مختلف اضلاع سے بھی علماء کرام موجود تھے۔ وہاں جامعہ اسلامیہ بہبودی میں کافی حضرات جمع ہوچکے تھے۔ ہم سب ایک بڑے قافلے کی صورت میں شینکہ گاؤں پہنچے، تو وہاں بھی بہت بڑی خلقت جمع تھی، ہماری آمد کے ساتھ ہی مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے برطانیہ سے آنے والے بھائی محمد سعید بھی اسی وقت پہنچے۔ عجیب غمگین سماء تھا، ان کے برادران سے نمازِ جنازہ و تدفین کے حوالہ سے بات ہوئی، انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ جو حضرات جامعہ کے ساتھ آئے ہیں نمازِ جنازہ بھی وہ پڑھائیں، اور جنازہ سے قبل بیان کرنے کی بھی خواہش کا اظہار کیا۔

ہم ان کے حجرہ سے قریب مسجد میں ڈیڑھ بجے نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد جنازہ گاہ کی طرف گئے۔ اس دوران جامعہ فریدیہ کے منتظم اعلیٰ مولانا عبدالغفار صاحب مدظلہٗ جو جامعہ کے فاضل وسابق استاذ اور ناظم بھی رہے، آپ کا آبائی علاقہ بھی چھچھ کا گاؤں شاہ ڈھیر ہے، اور مفتی نیاز رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہونے کے ساتھ بہت قریبی تعلق بھی تھا، ان کے علاوہ مردان، سوات، پشاور، نوشہرہ، صوابی، چارسدہ، پنڈی، اسلام آباد، مانسہرہ، ایبٹ آباد، ہری پور، روات، گوجرخان سمیت کئی اضلاع سے جامعہ کے فضلاء وتلامذہ پہنچ رہے تھے۔ گرمی کی شدت عروج پہ تھی، اس کے باوجود گلشنِ بنوریؒ کے فیض یافتہ

روحانی فرزندوں کا بہت بڑا اجتماع اس فرزندِ جامعہ کو اپنی دعاؤں کے حصار میں اس جہاں سے اُن کی شان کے مطابق رخصت کرنے آیا ہوا تھا۔

میت کو گھر سے بذریعہ ایمبولینس جنازگاہ لایا گیا تھا۔ شرکاء کی تعداد اور گرمی کی شدت کو سامنے رکھتے ہوئے مختصر وقت کے لیے زیارت کروانے کا طے ہوا۔ علماء، طلبہ، صلحاء واتقیاء کے بڑے مجمع میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھرانہ کی خواہش پہ ان کے رفیقِ خاص اور جامعہ کے تخصص فی الفقہ کے مشرف ہردلعزیز برادرِ محترم مفتی رفیق احمد بالاکوٹی زیدمجدہٗ نے غم میں ڈوبی آواز میں اپنے علمی وعملی سفر کے بے بدل ساتھی مفتی محمد نیاز رحمۃ اللہ علیہ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ان کے اجلے ونفیس کردار کی سالوں پہ محیط باتوں کو چند منٹ میں ایسے اسلوب میں بیان کیا کہ ہر شخص کے دل کو تڑپا گیا۔ اپنے نام رفیق کی مثل اپنا حقِ رفاقت ادا کرتے ہوئے آج رخصت ہونے والے کے محاسن کا ایسا محبوبانہ تذکرہ کیا کہ سننے والے ہر صاحبِ دل کو رنجیدہ کرگیا۔ کئی دوستوں کو بچوں کی طرح بلک بلک کر روتے ہوئے دیکھا، مضبوط اعصاب رکھنے والے اکابر علماء کی آنکھوں سے آنسو برستے دیکھے۔ برادرم مفتی رفیق کی رندھائی آواز کے سکوت نے کئی قریبی احباب کی آوازوں سے عجیب دردناک ماحول کا منظر بنادیا تھا، جنازہ کے وقت سے دس منٹ قبل میت کو ایمبولینس سے نکال کر اس جنازگاہ کے عین وسط میں چارپائی پہ رکھا گیا، تو بے قابو عشاق کا ہجوم دیوانہ وار ''مفتی محمد نیاز رحمۃ اللہ علیہ'' کے آخری دیدار کے لیے چاروں اطراف سے آتا گیا۔ طے کردہ نظم سب اس ازدحام کثیر کی نذر ہوگیا۔ سورج کی حدت وتپش کے باوجود ہر ایک دوسرے سے مل کر روتا اور اپنے غم کا بوجھ ہلکا کرتا ہوا نظر آیا۔ وسیع وعریض ضلع اٹک کی ہر تحصیل سے آنے والے علماء وزعماء وہاں علم دوست سرزمینِ چھچھ میں ایک ولایت کی صفات والے جوان عالم کے جانے کے نقصان کو عالَم کا المیہ بتارہے تھے۔

جنازہ سے قبل دس منٹ کا وقت دیئے جانے کے باوجود مزید اگلے آدھے گھنٹہ تک زیارت کی جاتی رہی، منتظمین کی طرف سے لوگوں کو جنازہ کے لیے صف بنانے کا اعلان کرتے ہوئے جنازہ شروع کرنے کا کہا جاتا رہا۔ بالآخر تقریباً تین بجے صفیں بنائی گئیں، تاحدِ نگاہ ہر طرف انسانوں کے سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ مفتی رفیق احمد بالاکوٹی زیدمجدہٗ نے اپنی شدتِ غم سے لبریز آواز میں اللہ اکبر کی صدا لگائی تو یکدم ہزاروں کے مجمع میں ایک سکوت کے ساتھ قلب پہ سکون کا بھی عجیب احساس ہوا۔ چند قدم کے فاصلے پہ موجود قبرستان میں خاندانِ یونس کے احاطہ میں تیار کی گئی قبر کی طرف میت کو لے جانے میں بھی کافی وقت لگا۔ درختوں سے ڈھکے اس قبرستان کی جانب جاتے ہوئے مجھے پورے تیس برس قبل امام اہلِ سنت ''مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ'' کا وہ تاریخی جملہ یاد آگیا جو انہوں نے ''مفتی محمد نیاز رحمۃ اللہ علیہ'' کے خاندان کی علم دوستی پہ لکھا تھا کہ: ''درخت لگانا ہمارا کام ہے، پھل دینا اللہ کا کام ہے۔''

قبر میں میت کو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی اور بھتیجوں نے اُتارا۔ المنا کی کی فضاء میں وہاں موجود

علماء نے ''مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى'' پڑھتے ہوئے مٹی ڈالی۔

قبر کی تیاری کے بعد مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صدقاتِ جاریہ ان کے دونوں بھتیجوں میں حافظ عبداللہ سلمہ اور محمد عمر سلمہ نے آیات کی تلاوت کی تو ضبط کے سب بندھن ٹوٹ سے گئے، اس کے بعد مولانا عبدالغفار صاحب زید مجدہٗ نے مختصراً موت وحیات کی حقیقت پہ روشنی ڈالتے ہوئے مرحوم کے درجات کی بلندی کے لیے ایصالِ ثواب کی ترغیب بھی دی، اور مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طالب علمانہ زندگی کی سرفرازیوں کے تذکرہ کے ساتھ ان کی عملی زندگی کے گوشوں کو بیان کیا، جس میں ایک اہم انکشاف یہ کیا کہ: ''مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں تین چار سال رہنے والے ایک دو طلبہ نے بتایا کہ: ہمارے افریقی دارالاقامہ کے بیت الخلاؤں کی صفائی کے لیے جمعدار بعض دفعہ کئی دنوں کے بعد آتے تھے، ہم حیران ہوتے تھے کہ جب فجر میں اٹھ کر بیت الخلاء جاتے تو وہ بہت صاف ستھرے ہوتے۔ ایک طالب علم کو بہت تجسس ہوا تو اس نے خاموشی سے چھپ کر دیکھا تو حیرت کی انتہاء نہیں رہی کہ مفتی محمد نیاز رحمۃ اللہ علیہ رات کے ڈھائی بجے کے قریب دارالاقامہ کے بیت الخلاء کو مکمل دھور ہے تھے، اس طالب علم نے وہ منظر کئی بار خاموشی سے دیکھا۔''

اللہ کے مہمانوں کی ایسی خدمت کے عالی جذبہ کو ہمارے اکابر میں شیخ العرب والعجم حضرت سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے حیاً ومیتاً جانشین امام اہلِ سنت حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تواتر سے سنا گیا ہے، اور کئی حضرات نے اپنے اس مشاہدہ کو تحریر میں بھی لکھا ہے جو کتب میں موجود ہے۔ آج علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اس روحانی فرزند کی زندگی کا یہ اہم راز اُن کے دنیا سے جانے کے بعد میں یہاں ان کی قبر پہ افشاء کررہا ہوں۔ مولانا عبدالغفار مدظلہٗ کے اس بیان سے وہاں موجود بڑے بڑے اصحابِ نسبت نے عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہوئے جذباتِ محبت کے آنسو بہادیئے۔

تدفین کے بعد تلاوت و بیان کے بعد مفتی نیاز رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کی بلندی کے لیے ایصالِ ثواب اور دعاء کروائی گئی۔ علاقہ چھچھ کی شرعی روایت کے مطابق تین دن تک تعزیت کے لیے اہلِ خاندان اپنے آبائی حجرہ میں موجود رہے۔ اس دوران دور دراز سے علماء، عوام وفضلاء ومتعلقینِ بنوری ٹاؤن کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ آزاد کشمیر سے مولانا قاضی محمود الحسن اشرف، مولانا مجیب الرحمٰن سمیت کئی ذی قدر علماء تشریف لائے، چار دن بعد جامعہ کے ناظمِ تعلیمات و استاذ الحدیث حضرت مولانا امداد اللہ زید مجدہٗ بھی شینکہ گاؤں تشریف لے گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں کی جانے والی تمام دعاؤں کو منظور فرمائے اور اُن کے صدقاتِ جاریہ میں قیامت تک اضافہ فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

مدارسِ دینیہ میں مدرسین کے ساتھ معاہدۂ تقرر کی شرعی حیثیت

ادارہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک ادارے کے مہتمم صاحب نے سالانہ امتحان سے ایک ماہ قبل ایک نیا ضابطہ بنا کر یہ اعلان کیا کہ آئندہ ہر مدرس کے تقرر کا معاہدہ شوال سے شعبان تک ہوگا، ہر سال معاہدے کی تجدید کی جائے گی اور درمیان کے دو ماہ (شعبان ورمضان) کی تنخواہ نہیں دی جائے گی۔ ضابطہ بنانے کے بعد اس کا اطلاق سابق (موجودہ) مدرسین پر بھی کر دیا گیا ہے، جو گزشتہ کئی سال سے وہاں تدریس کر رہے ہیں اور اُنہیں سالہائے گزشتہ میں شعبان ورمضان کی تنخواہیں ادا کی جاتی رہی ہیں، لیکن اِمسال اُنہیں بھی دو ماہ کی تنخواہ سے محروم ہونا پڑے گا۔

اس تفصیل کی روشنی میں چند سوالات کا حل مطلوب ہے:

۱:...... مدارس کے مدرسین سے معاہدہ شوال سے شوال مسانہۃً ہوگا یا شوال سے رجب تک؟

۲:......اس ضمن میں ہمارے اکابر کے فتاویٰ کیا ہیں؟ اکابر کے فتاویٰ کے حوالہ جات بھی تحریر فرمادیں تو نوازش ہوگی۔

۳:......جن مدرسین سے پہلے عمومی معاہدہ ہوا اور گزشتہ سالوں میں بارہ ماہ کی تنخواہ اُنہیں دی جاتی رہی، کیا ایک ماہ قبل بلاوجہ اُنہیں منع کر کے دو ماہ (شعبان ورمضان) کی تنخواہ سے محروم کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ اُنہیں مدرسین کو دو ماہ بعد از سرِنو معاہدے کے تحت مدرس مقرر کیا جائے گا؟

ازراہِ کرم سوالاتِ مذکورہ کے مدلل ومفصل جوابات عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں، وأجرکم علی اللّٰہ۔

مستفتی: محمد زبیر، کراچی

الجواب باسمہٖ تعالٰی

۱،۲:...... واضح رہے کہ مدارس کے مدرسین کے ساتھ تدریس کا جو معاہدہ ہوتا ہے، اس کی تین ممکنہ صورتیں ہیں:

الف:...... معاہدہ میں یہ طے ہو کہ مدرسین کے ساتھ یہ عقد سالانہ بنیادوں پر ہے، ایسی صورت میں حکم واضح ہے کہ انہیں ایام تعطیلات یعنی شعبان ورمضان کی تنخواہ بھی ملے گی، کیونکہ ایامِ تعطیلات، ایامِ پڑھائی کے تابع ہیں۔ مدرسین کو اُن میں آرام کا موقع دیا جاتا ہے، تاکہ اگلے سال پورے نشاط کے ساتھ تعلیم وتدریس کا سلسلہ برقرار رکھ سکیں۔

ب:...... معاہدہ میں کسی بات کی وضاحت نہ ہو کہ اس عقد کی مدت کتنی ہے! تو ایسی صورت میں عرف کا اعتبار کرتے ہوئے اس معاہدہ کو مسانہۃً شمار کیا جائے گا، کیونکہ مدارس کے عرف میں تدریس کا معاہدہ مسانہۃً ہوتا ہے۔

ج:...... معاہدہ میں اس بات کی شرط ہو کہ یہ معاملہ شوال سے رجب تک ہوگا، اگلے سال معاہدہ کی تجدید ہوگی، اور مدرسین بھی اس بات پر راضی ہوں تو ایسی صورت میں یہ معاملہ مسانہۃً نہیں ہوگا، بلکہ تصریح کے مطابق شوال سے رجب تک شمار ہوگا اور مذکورہ مدرسین شعبان ورمضان کی تنخواہ کے مستحق نہ ہوں گے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے:

’’ومنها البطالة فی المدارس کأیام الأعیاد ویوم عاشوراء وشهر رمضان فی درس الفقه لم أرها صریحة فی کلامهم . والمسألة علٰی وجهین: فإن کانت مشروطة لم یسقط من المعلوم شیئ وإلا فینبغی أن یلحق ببطالة القاضی وقد اختلفوا فی أخذ القاضی مارتب لهٗ من بیت المال فی یوم بطالته ، فقال فی المحیط: إنهٗ یأخذ یوم البطالة لأنهٗ یستریح للیوم الثانی ، وقیل: لایأخذ، انتهی. وفی المنیة: القاضی یستحق الکفایة من بیت المال فی یوم البطالة فی الأصح واختارهٗ فی منظومة ابن وهبان وقال: إنه الأظهر، فینبغی أن یکون کذٰلک فی المدارس ، لأن یوم البطالة للاستراحة وفی الحقیقة یکون للمطالعة والتحریر عند ذی المهمة۔‘‘ (الاشباہ والنظائر، الفن الأول، القاعدۃ السادسۃ: العادۃ محکمۃ، ص:۹۶، ط: قدیمی)

اکابرین کے فتاویٰ بھی اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ مدرسین کے ساتھ تدریس کے معاہدے عرف کی وجہ سے مسانہۃً شمار ہوں گے، اگر عقد میں اس معاہدہ کی تحدید بیان کی جائے تو

اسی کے مطابق عمل ہوگا۔

فتاویٰ مفتی محمود میں ہے:

''اگر دار العلوم اسلامیہ کا ابتداہی سے یہ قاعدہ ہو کہ رمضان المبارک کی تنخواہ کسی مدرس کو نہیں دی جائے گی اور اس کے بعد مدرس کو اس ضابطے کا علم بھی ہے اور دار العلوم میں ملازمت اختیار کرتا ہے تو پھر مدرس کے لیے رمضان المبارک کی تنخواہ کا مطالبہ کرنا جائز نہیں، لیکن اگر دار العلوم اسلامیہ کا پہلے سے یہ ضابطہ نہ ہو اور مدرسین پورا سال اس میں خدمت انجام دیتے رہے اور ادارہ شعبان میں یہ فیصلہ کرے کہ رمضان المبارک کی تنخواہ کسی مدرس کو نہیں دی جائے گی تو دار العلوم اسلامیہ کا یہ فیصلہ اس وقت عرفِ مدارس کے خلاف غلط ہے، اس لیے مدرس کو دیگر مدارس کے عرف کی بنا پر رمضان المبارک کی تنخواہ کا مطالبہ جائز وصحیح ہوگا، شرعاً بھی اُنہیں یہ حق حاصل ہوگا۔''

(فتاویٰ مفتی محمود، اجارہ کا بیان، ج:۹،ص:۳۶۴، ط: جمعیت پبلی کیشنز)

نیز فرماتے ہیں:

''اس کے متعلق واضح رہے کہ اگر مدرس رکھتے وقت مدرس کے ساتھ ایامِ عطلہ کی تنخواہ کے متعلق کچھ طے کیا گیا ہو تب اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا اور اگر کچھ بھی اس کے بارہ میں پہلے سے طے نہ کیا گیا تھا تب عام مدارس کے اصول کے مطابق عمل کیا جائے گا۔''

(ایضاً، ج:۹،ص:۳۶۵، ط: جمعیت پبلیکیشنز)

امداد الفتاویٰ میں ہے:

''اصل یہ ہے کہ ایسے اموال میں کسی تصرف کا جواز وعدمِ جواز معطینِ اموال کی اذن ورضا پر موقوف ہے، اور مہتممِ مدرسہ ان معطین کا وکیل ہوتا ہے، پس وکیل کو جس تصرف کا اذن دیا گیا ہے، وہ تصرف اس وکیل کو جائز ہے۔ جس مہتمم نے مدرسین کو مقرر کیا ہے، اگر اس مہتمم کو معطین نے اس صورت کے متعلق کچھ اختیارات دیئے ہیں اور مہتمم نے ان مدرسین سے اس اختیارات کے موافق کچھ شرائط کر لیے ہیں، تب تو ان شرائط کے موافق تنخواہ لینا جائز ہے، اسی طرح جو اختیارات وظیفہ کے متعلق مہتمم کو دیئے گئے ہیں، اس کے موافق اس کا دینا لینا بھی جائز ہوگا اور اگر تصریحاً اختیارات وشرائط نہیں ہوئے، لیکن مدرسہ کے قواعد مدوّن ومعروف ہیں تو وہ بھی مثلِ مشروط کے ہوں گے اور اگر نہ مصرح

ہوں اور نہ معروف تو دوسرے مدارسِ اسلامیہ میں جو معروف ہیں ان کا اتباع کیا جائے گا۔‘‘ (امداد الفتاویٰ، کتاب الاجارۃ، ج:۳،ص:۳۴۸-۳۴۷، ط: دار العلوم)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

’’اس معاملہ کا مسانہۃً ہونا چونکہ معروف ہے، لہٰذا بصورتِ عدمِ اشتراط بھی رمضان کی تنخواہ واجب ہے: ’’**لأن المعروف کالمشروط**‘‘ البتہ اگر بوقتِ عقد اس کی تصریح کردی گئی تھی کہ یہ تعاقد آخر شعبان تک ہے، تو رمضان کی تنخواہ کا استحقاق نہیں۔‘‘

(احسن الفتاویٰ، کتاب الاجارۃ، ج:۷،ص:۲۸۶، ط: سعید)

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مذکورہ ادارے کے مہتمم نے جب یہ اعلان کیا کہ آئندہ ہر مدرس کے تقرر کا معاہدہ شوال سے شعبان تک ہوگا، ہر سال معاہدہ کی تجدید ہوگی اور یہ مدرسین اس پر راضی بھی ہوں تو ایسی صورت میں مذکورہ ادارے کے مدرسین کا معاہدہ شوال سے شوال تک مسانہۃً نہیں ہوتا، بلکہ حسبِ تصریح شوال سے شعبان تک ہوگا، جس کی وجہ سے مذکورہ ادارے کے مدرسین آئندہ سال سے شعبان و رمضان کی تنخواہوں کے مستحق نہ ہوں گے۔

۳:......جن مدرسین سے پہلے عمومی معاہدہ ہوا تھا اُن کا یہ معاہدہ چوں کہ شوال میں ختم ہوگا، اس سال کے متعلق یہ قاعدہ تھا، لہٰذا امسال شعبان و رمضان کی تنخواہ ان مدرسین کو عام مدارس کے عرف کے لحاظ سے دی جائیں گی، اس معاہدہ کا اجراء اگر وہ کرنا چاہیں تو اگلے تعلیمی سال کی ابتداء یعنی شوال سے کرسکیں گے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد انعام الحق	محمد شفیق عارف	محمد عمران ممتاز
			تخصصِ فقہِ اسلامی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نقد و نظر

ادارہ

حکایتِ مہر و وفا

مفتی عبدالرؤف غزنوی صاحب مدظلہٗ۔ صفحات: ۲۵۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ غزنوی، سلام کتب مارکیٹ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

زیرِتبصرہ کتاب کے مؤلف حضرت مولانا عبدالرؤف غزنوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ وخطیب، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذِ حدیث، سہ ماہی ''البیـــنـــات'' عربی کے مدیر اور ایک متبحر عالم ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں آپ کو بہت ساری ظاہری وباطنی نعمتوں اور خوبیوں سے نوازا ہے، وہاں عربی واردو میں تحریر کا بھی بطورِ خاص آپ کو ملکہ ودیعت فرمایا ہے۔

آپ کی تحریر کیا ہے؟! جی چاہتا ہے کہ آپ لکھتے رہیں اور قاری پڑھتا رہے۔ اس کتاب میں بھی یہی خوبی قاری کو جھلکتی ہوئی نظر آئے گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بطورِ خاص دو سفروں کی سعادت بخشی: ایک سفر حجازِ مقدس کا اور دوسرا دارالعلوم دیوبند کا۔ زیرِتبصرہ کتاب ان دونوں اسفار کا وجدآفریں تذکرہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> ''اس سفرنامے میں حرمین شریفین اور دیگر مقاماتِ مقدسہ کی والہانہ حاضری کی پرکیف داستانِ محبت بھی ہے اور ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کے نیازمندانہ سفر کی پراثر حکایتِ وفا بھی۔ بلادِ عرب کے چند مایہ ناز اہلِ علم وتقویٰ کے حیرت انگیز تذکرے وبصیرت افروز واقعات بھی قلمبند کیے گئے ہیں اور دارالعلوم دیوبند، گنگوہ اور تھانہ بھون کی چند پرانی اور چند موجودہ عظیم شخصیات سے متعلق تأثراتی مضامین، ان کی گراں قدر نصیحتیں اور مفید معلومات بھی۔ عقیدت ومحبت کے جن جذبات کے تحت ایک سادہ انداز میں یہ ''حکایتِ مہر و وفا'' جو لکھی گئی ہے، ان جذبات کی بنیاد پر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ قاری کے لیے دلچسپ اور باعثِ اطمینان وسکون ثابت ہوگی۔ **وماذٰلک علی اللّٰہ بعزیز۔**''

کتاب کا کاغذ، جلد بندی، اور طباعت بہت ہی اعلیٰ اور جاذبِ نظر ہے۔ امید ہے باذوق

حضرات اس کتاب کی قدر افزائی فرمائیں گے۔

عمدۃ البیان فی تفسیر القرآن (المعروف ’’المدنی الکبیر‘‘ [جلد پنجم])

شیخ التفسیر حضرت مولانا ابوطاہر محمد اسحاق خان صاحب المدنی۔ صفحات: ۷۲۳۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: المدنی پبلی کیشنز، اسلام آباد۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد اسحاق خان المدنی حفظہٗ اللہ ہمارے بزرگوں کے تربیت یافتہ اور معتمد ہیں، جنہوں نے دبئی جیسے ملک کے ماحول میں رہ کر قرآن کریم کا درس اور ترجمہ کا ماحول بنائے رکھا، اب تفسیری انداز میں اس کی طباعت کرا کر اُمت کے سامنے پیش کی جاری ہے، جس کی یہ پانچویں جلد پارہ نمبر: ۱۱، اور پارہ نمبر: ۱۲ پر مشتمل ہے۔ یہ تفسیر مولانا موصوف کی ۳۵ رسالہ محنت شاقہ کا ثمرہ اور نچوڑ ہے۔ اس تفسیر کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱:...... آیات کا ترجمہ نہ تو بالکل پرانے انداز کا ہے اور نہ ہی بالکل آزاد ماڈرن انداز کا ہے، بلکہ اپنے اندر دونوں کی خوبیوں کو لیے ہوئے ہے۔

۲:...... ترجمہ میں حتیٰ المقدور قرآن کریم کی بلاغت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۳:...... ترجمہ وتفسیر میں بنیادی عقائد پر خصوصی توجہ رکھی گئی ہے، خصوصاً عقیدۂ توحید پر۔

۴: ترجمہ وتفسیر میں اہل زیغ وضلال کی طرف سے تحریفات وتلبیسات کی نشان دہی اور اُس کے ازالہ اور بیخ کنی پر توجہ دی گئی ہے۔

۵:...... اس تفسیر میں اکابر کی جہودِ مبارکہ اور مساعیِ جمیلہ سے خوب خوب استفادہ کیا گیا ہے۔

۶:...... شانِ نزول کے بیان میں اس چیز کا خاص خیال رکھا گیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ ارشادِ ربانی صرف اس ماحول اور معاشرہ سے متعلق تھا۔

۷:...... اس میں معنی خیز ترجمہ، عام فہم انداز، سلاست وروانی اور رواں دواں عبارات ہیں، جس میں تصنیف سے زیادہ خطابی انداز زیادہ جھلکتا ہے، جو عام قارئین کے لیے بے حد مفید ہے۔

ہمارے حضرت اقدس مولانا سعید احمد جلال پوری شہید قدس سرہٗ نے اس کی تفسیر کے حصہ اول پر درج ذیل تبصرہ لکھا تھا، جی چاہتا ہے اس کو یہاں نقل کر دیا جائے، حضرت نے لکھا:

> ’’حضرت مولانا محمد اسحاق خان مدنی دامت برکاتہم کی علمی شخصیت اہل علم حلقے یں محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ آپ ایک عرصے سے دبئی میں قیام پذیر ہیں، آپ کا حلقۂ درس قرآن بھی کافی شہرت رکھتا ہے۔ آپ نے ایک عرصے سے اپنے آپ کو درسِ تفسیر قرآن کے لیے وقف کر رکھا تھا، آپ اپنی مساعی میں کس قدر کامیاب ہوئے ہیں پیش نظر تفسیر ’’عمدۃ البیان کی جلد اول..... جو سورۂ فاتحہ سے سورۂ نساء تک کی تفسیر پر مشتمل ہے..... کی شکل میں اس کا خوب صورت نتیجہ اور ثمرہ حاضر خدمت ہے۔ موصوف کا تفسیری انداز بلا شبہ اکابر دیوبند کی طرز پر

تحقیقی ہے۔ کتاب کا ایک ایک حرف اور ایک ایک بحث قابل قدر اور لائق رشک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو عوام وخواص کے لیے نفع بخش بنائے اور مولانا کی ترقی درجات اور نجاتِ آخرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین! اس تفسیر کے بارے میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، کیونکہ مشک آنست کہ خود ببوید!۔'' (ماہنامہ بینات، رمضان ۱۴۲۷ھ- اکتوبر ۲۰۰۶ء)

اللہ تبارک وتعالیٰ القاسم اکیڈمی کے کارپردازان کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس قیمتی جوہر کو زیورِ طباعت سے آراستہ کرکے اُمتِ مسلمہ کے استفادہ کے لیے منصۂ شہود پر لائے۔

افادات وملفوظاتِ عزیزیہ

حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ۔ انتخاب وتالیف: عتیق الرحمٰن۔ صفحات: ۱۷۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہؓ، خالق آباد، نوشہرہ۔

حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز دعاجو قدس سرہٗ ایک روحانی اور صاحبِ نسبت بزرگ گزرے ہیں۔ زندگی بھر علم وعمل، روحانیت اور تبلیغ کا پھریرا بلند کرتے رہے، ان کا تعلیمی اور تربیتی انداز نرالا تھا، جو آپ کی صحبت میں بیٹھنے والوں کو بخوبی محسوس ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان کے متوسلین کو کہ انہوں نے حضرت کے فرمودات اور ارشادات کو اگلی نسل تک پہنچانے کے لیے انہیں کتابی صورت میں یکجا کرکے شائع کیا۔ اللہ تبارک تعالیٰ انہیں اجر جزیل سے نوازے۔ یہ کتاب دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے ایک بہترین راہنمائی کا ذریعہ ہے۔

''نوائے اُمت'' کی اشاعت خاص

مولانا محمد زاہد اقبال صاحب۔ صفحات: ۳۳۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: تحریک نفاذ اسلام پاکستان۔ ملنے کا پتہ: اسلامی کتب خانہ بالمقابل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

زیرِ تبصرہ کتاب ''نوائے اُمت'' کی اشاعت خاص حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح، سیرت وکردار، اخلاق وعادات، انفرادی خصوصیات، فقاہت، جہاد وانقلاب، اصلاح وارشاد، تصنیف وتالیف، مقالات ومضامین، منظوم خراجِ تحسین جیسے عناوین پر مشتمل ہے۔

حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان قدس سرہٗ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے فاضل اور محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ کے تلمیذ اور قابلِ رشک شاگردِ رشید تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں صفات سے متصف فرمایا تھا، فقاہت میں بھی بے مثال کارنامے انجام دیئے۔ آپ کے خدام اور متعلقین نے حضرت کی یاد میں اس خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مساعیِ جمیلہ کو قبول فرمائے۔ البتہ کتاب کی پروف ریڈنگ میں کئی جگہ اغلاط نظر آئیں اور یہ ایسی اغلاط ہیں کہ ان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، مثلاً: ایک جگہ لکھا ہے:

’’حضرت ’’شیخ الہندؒ‘‘ دورہ حدیث کے لیے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن تشریف لائے۔‘‘ ایک جگہ لکھا ہے: حضرت ’’شیخ الہندؒ‘‘ کو اللہ پاک ان نسبتوں کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔‘‘ اُمید ہے اگلے ایڈیشن میں اس کمی کو دور کیا جائے گا۔

اعجاز القرآن

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ۔ صفحات: ۷۷۔ قیمت: چالیس روپے۔ ناشر: مکتبۃ البشریٰ، چوہدری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی۔

زیر تبصرہ رسالہ میں معجزہ، اس کی حقیقت، اس کے مدارج، وحی الٰہی کی ضرورت اور اس کے مراتب بیان کرنے کے بعد قرآن کریم کا معجزہ اور کلام ربانی اور وحی الٰہی ہونا نہایت پرعظمت تفصیل اور شافی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ حضرت نے ہر ہر بات عقلی دلائل سے سمجھائی ہے، بیان اور طرز و انداز اتنا عمدہ ہے کہ ہر ہر بات قاری کے دل ودماغ میں آسانی اترتی جاتی ہے۔ موجودہ ماحول میں کہ جہاں ہر بات کو عقلی دلائل سے سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ رسالہ اس کے لیے شافی علاج ہے۔ جو ہر عالم کی ضرورت ہے۔

تحفۃ الائمہ

مولانا محمد حنیف عبد المجید۔ صفحات: ۷۳۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ بیت العلم، فدا منزل، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔

اس کتاب کے مؤلف حضرت مولانا محمد حنیف عبد المجید جو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل، وسابق استاذ، بزرگوں کے معتمد اور موفق من اللہ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے معاشرہ کی اصلاح کے لیے آسان کتابیں شائع کرنے کے لیے آپ کو انفرادیت بخشی ہے۔ مثالی ماں، مثالی باپ، مثالی دولہا، مثالی بیوی اس طرح کی اور بے شمار کتابیں ہیں۔ اب یہ زیر تبصرہ کتاب ’’تحفۃ الائمۃ‘‘ خاص کر کے مساجد کے ائمہ، خطباء اور علماء کے لیے ترتیب دی ہے، اس کتاب کو آٹھ ابواب پر تقسیم کیا ہے: بابِ اول:......ائمہ کرام کی صفات، بابِ دوم:......ائمہ کرام کے لیے نصیحتیں، بابِ سوم:......آداب وعظ، بابِ چہارم:......ائمہ کرام کی مسجد کی ذمہ داریاں، بابِ پنجم:......مقتدیوں کی تعلیم وتربیت، بابِ ششم:......ائمہ کرام کی امامت کی ذمہ داریاں، بابِ ہفتم:......اتفاق کی اہمیت، بابِ ہشتم:......ائمہ کرام کی دعوت وتبلیغ کی ذمہ داریاں۔ غرض ہر مسجد کے امام کو جن خوبیوں اور صفات سے آراستہ ہونا ضروری ہے ان تمام امور کا ذکر بڑے دل نشین اور دلچسپ انداز سے کیا گیا ہے۔ کتاب کی ابتداء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان قدس سرہٗ اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر دامت برکاتہم العالیہ کی تقاریظ کتاب کی ثقاہت کے لیے بین دلیل ہیں۔